فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
1	حرفِ انتساب	12
2	حرفِ وضاحت	14
3	عرضِ مرتب	18
4	حرفِ تشکّر	22
5	توقیرِ خامہ	24
6	آئینہ جمال	26
7	تذکرۂ جمیل، جنّت کی مہک کا اِک جھونکا	28
8	شجرہ اساتذہ وتلامذہ	31
9	علامہ بزرگ علیؒ	32
10	مفتی عنایت احمد کاکوریؒ	33
11	اساتذ العلماء لطف اللہ صاحب	35
12	تفصیل تدریسی کتب	38
13	تذکرۂ جمیلؒ	51
14	پہلا تعلیمی دور	59

15	جناب خیراللہ خان صاحبؒ	70
16	جناب خان بہرام خان صاحبؒ	72
17	فہرست ہائے اساتذہ کرام	76
18	تفصیل ہائے تدریسی کُتب	83
19	علمی اسفار وواقعات	86
20	سفرِ ہندوستان	95
21	پیش آمدہ واقعات	99
22	وضاحتِ مختصر	104
23	سندِ فراغت	107
24	اجمالی تفصیل تدریس کُتب	107
25	تفصیل 10 سالہ آمدن واخراجات	121
26	استاذ العلماء کے خطوط	128
27	القابات اَور مآخِذ	131
28	علمائے ویلور کا خراج تحسین	136
29	سلسلۂ ملازمت	138
30	ملاقات، مولانا محمد اسرائیل وشبلی نعمانیؒ	146
31	پسِ تحریر	151

32	مولانا فیض الحسن سہارنپوری	152
33	نام نہاد قادیانی پیغمبر سے دو ملاقاتیں، احوال	155
34	اِک موسیقار سے علمِ موسیقی کی بابت گفتگو	160
35	تأثرات از عبدالعلیم باچا	165
36	دلبرانِ باکمال	167
37	پشتو مرثیہ کا نثری ترجمہ	178
38	کتابیات	181

حرفِ انتساب

(i) ملتِ بیضا کے آبلہ پا، شکستہ حال، آشفتہ مُو،
لالہ رُخوں کے نام،
جو سینہ تانے، عزم وہمت کا عَلَم اُٹھائے،
حجازی ہواؤں کے فروغ کے لئے،
تن من دھن کی بازی لگائے،
کارزارِ حیات میں،
پوری رعنائی اور توانائی سے،
برسرِ پیکار ہیں

(ii) شُستہ رُو، تایازاد بھائی، وفا شعار خادم،
کفایت اللہ مرحوم ومغفور کی نذر،
جس نے جسم وجاں کے تقاضوں کو ہمیشہ پسِ پُشت ڈالا،
اور اپنے دادا حضور، رئیس الحفاظ کے آرام وراحت کا خیال رکھا،
اُکتاہٹ وبیزاری اور تھکن اُس کے قریب بھی نہیں پھٹکی تھی،
مُسکراہٹ ہمہ وقت اُس کے چہرے پر کھیلتی رہتی تھی،
محبت وسرشاری اور وفاداری ووارفتگی اس کا اسلوبِ حیات تھی،

اُس نے ابھی نوجوانی کی دہلیز پر قدم رکھا ہی تھا،
کہ اَجل کی ظالم آندھی آئی،
اوراس گلِ تازہ کو لے اُڑی،
یہ جون 1946ء کا قیامت خیز سال تھا،
اِک مدّت ہوئی، جسے زمانہ فراموش کر چکا ہے،
مگر رئیس الحفاظ کا کوئی بھی سوانح نگار،
اس بندۂ صدق وصفا کو ہرگز نہیں بُھلا سکتا۔

(iii) عم زاد وخالہ زاد، دلآویز بہن،
جنّت مکانی، سعیدہ بی بی صاحبہؒ،
دُختر: مولانا عنایت اللہ صاحبؒ،
زوجہ: خزینۃ الادب محمّد ظہور الحق صاحبؒ
جو
اپنے فخرِ روزگار دادا محترمؒ کی،
خدمت گزاری میں ہمیشہ پیش پیش رہی،
قابلِ رشک اور لائقِ تحسین، خوشنما یادوں
کے دھنک رنگ قافلے چھوڑ گئی،

حرفِ وضاحت

اللہ، اللہ کہاں ''تذکرۂ جمیل'' کا یہ پُر بہار گلستانِ علم وحکمت اور کہاں یہ بندۂ بے حرف وصوت! اگر اُس کریمِ مُطلق کا کرم شاملِ حال نہ ہوتا تو اس چمن زارِ علم وحکمت کی گل گشت میرے لئے محال ہی نہیں ناممکن تھی۔ اس گل کدۂ علم وحکمت کے بہار آفریں مناظر کی خوشبوؤں کو کشید کرنا تو اہلِ ہنر کا کام ہے۔ جو رگِ گل کو نشتر دکھانے کا فن جانتے ہیں۔ میں بے ہنر اس کی اہلیت ہرگز نہیں رکھتا۔ میری قلمی تگ وتاز کا ہدف صرف اس کے تعارف تک ہی محدود ہے۔

بے شک عمرِ عزیز تیزی سے ڈھلتی جا رہی ہے۔ توانائیاں سمٹ رہی ہیں۔ پلک جھپکنے میں شباب قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔ ہوش وحواس پر سکتے کا عالم طاری ہے۔ تیزی وطراری کو گُھن لگ چکا ہے۔ جھٹکے پر جھٹکے محسوس ہو رہے ہیں۔ جسم وجاں بھونچال کی زد میں ہیں۔ ہر چیز گھومتی اور لرزتی ہوئی محسوس ہو رہی ہیں۔ عافیت و یکسوئی مفقود ہو چکی ہے۔ سوالِ گندم، جوابِ چنا کی حالت کا نزول ہو چکا ہے۔ قضا کی ہوش رُبا دستک بہت قریب سے سُنائی دے رہی ہے۔ شوخیٔ فکر کی جولانی، اندیشہ ہائے دور دراز کے تانوں بانوں میں اُلجھ چکی ہے۔ دل کی دھڑکن پر بھیانک لمحوں کا گماں ہونے لگا ہے۔ جن بلاؤں کا کبھی سنتے تھے اب جاگتی آنکھوں اُن کا ظہور دیکھ رہے ہیں۔ رُخصت کا گھڑیال بجنے کو تیار ہے۔ جس

کو ہرگز ٹالا نہیں جاسکتا۔

جسم وجاں پر گزرنے والی ان بلاخیزیوں کے باوجود یہ بھی سچ اور حق ہے کہ قریۂ جاں میں ایک آرزو ابھی تک جواں ہے، وہ یہ کہ ''تذکرۂ جمیل'' کا کسی طور بھرپور تعارف ہو جائے۔ تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے اس خزینے سے استفادے کی تمام راہیں کھل جائیں۔ خدا بھلا کرے، اسرار طوروی اورم۔ رشفق کا کہ وہ اس باب میں اپنی ہمّت کے مطابق پیش رفت کر چکے ہیں۔ مگر سورج تو پھر سورج ہے۔ اُس کو اپنے حصار میں لینے کے لئے غیر معمولی توانائی، ہمت اور جذب وشوق کی ضرورت ہے۔ جو خود میں مفقود ہی نہیں بلکہ معدوم پاتا ہوں۔ بس ایک ادنیٰ سی کیف ومستی کی آشفتہ سی چنگاری ہے۔ جس کی بھڑک کے سہارے قرطاس وقلم کو سنبھالے ہوئے ہوں اور جیسے تیسے کرکے، پاؤں گھسیٹتا ہوا، راہِ پُرشوق پر چلنے کی سعی کر رہا ہوں۔

مجھے اپنی نارسائی کا شدت سے احساس ہی نہیں، برملا اعتراف بھی ہے۔ اپنی نارسائیوں کے باوجود جو کچھ بھی ہاتھ آیا اُسے بے دھڑک قارئین کے حضور میں پیش کرنے کی جسارت کردی ہے۔ تاکہ کوئی صاحبِ ہمت وعزیمت آگے بڑھ کر اس کی رعنائی وزیبائی کی نقاب کشائی کرکے فروغِ زندگی کی دلکشی کا مزید اہتمام کرسکے۔

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
اقبالؒ

بس اسی جذبے کے تحت میں نے ''تذکرۂ جمیل'' پر اپنی بساط کے مطابق گرتے پڑتے، ٹوٹے پھوٹے انداز میں کام کیا ہے۔ جس کا مقصد صرف یہی ہے کہ اُس بہادر اور

صاحبِ ہمت انسان کی زندگی کے روشن پہلو، نسلِ نو کے سامنے آجائیں۔ تاکہ اسلاف کی تابندہ زندگیوں کے نور سے ان کی زیست کا سفر بھی پُرنور ہوجائے۔

اللہ اُن کے نقشِ کفِ پا کی خیر ہو!
ذرّوں کو دے گئے جو مہ و کہکشاں کی بھیک
ساغرؔ

آج کے پُرآشوب دور میں، ملّتِ بیضا کے نوجوانوں کو ان روشنیوں کی اشد ضرورت ہے۔ ملت کی زبوں حالی کا علاج اس نکتے میں پوشیدہ ہے کہ ہمارا سفرِ حیات پھر سے اپنے اسلاف کے راستے پر استوار ہوجائے۔ کہ یہی نکتہ ہماری ملّی بقا، عزت اور وقار کا ضامن ہے۔

جب اس انگارۂ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پرِ روح الامیں پیدا
اقبالؔ

۱۔ ''تذکرۂ جمیل'' سے اخذ کردہ معلومات کے مطابق رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ نے 12 برس کے عرصے میں تحصیلِ علم کی ہے۔ یعنی 26 برس کی قلیل عمر میں علومِ عقلیہ ونقلیہ کی تحصیل کرکے سندِ فراغت حاصل کی۔

۲۔ انہوں نے مجموعی طور پر اسّی (80) درسی کتابیں پڑھیں جو مختلف علوم وفنون پر مشتمل تھیں۔ ان نصابی کتابوں میں سے کئی ایک انہیں ازبر تھیں۔

انہوں نے سولہ، سترہ اقسام کے علوم وفنون نہ صرف حاصل کئے بلکہ ان علوم میں مہارتِ تامہ کی مسند پر فائز ہوئے۔

یہ تو نصابی کتابوں کا احوال تھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے مزید کتنی کتابوں اور علوم کا مطالعہ کیا

ہوگا۔ اس بات کا اندازہ اس امر سے ہو جاتا ہے کہ اٹھائیس، انتیس برس کی عمر میں ہندوستان کے مشاہیر اُن کے متعلق بے ساختہ کہہ اُٹھے۔

''کہ آج ہندوستان میں ان کی نظیر مشکل سے ملے گی'' اور اسی قلیل عمری میں انہیں ''افتخارِ ہند'' کے لقب سے نوازا گیا۔ وفورِ شوق اور محنت ومشقت کا جذبہ فراواں ہو تو پھر ہر ناممکن کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ ان ہونیوں کو ہونیوں میں بدلا جاسکتا ہے۔

انسانی وجود خالقِ کائنات کا ایک زندہ معجزہ ہے۔ اگر اس کو مائل بہ حرکت کیا جائے تو آج بھی کئی ایک معجزے اس کی حرکت سے ظہور پذیر ہو سکتے ہیں۔

؎ **دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو**
تیری نگاہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ اقبالؔ

عرضِ مرتب

۱) یہ قلمی مخطوطہ جسے ''تذکرۂ جمیل'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ افتخار الہند، رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب کی قلمی خودنوشت ہے۔ جو ان کی زندگی کے ابتدائی 36 سالوں کی رُوداد ہے۔ یعنی ان کی زندگی کی کہانی 1864ء سے شروع ہو کر 1900ء پر جا کر ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہ اس کے بعد بھی بفضلہٖ تعالیٰ 46 برس حیات رہے۔ شاید باقی ماندہ زندگی کی روداد لکھ نہیں سکے یا امتدادِ زمانہ کے ہاتھوں پردۂ گمنامی میں چلی گئی۔ واللہ اعلم بالصوّاب۔

۲) ''تذکرۂ جمیل'' کا قلمی مخطوطہ برادرِ محترم جناب اسرار الرحمٰن اسرارؔ طوروی صاحب کی آبائی لائبریری میں موجود تھا۔ ہماری خوش نصیبی ہے کہ انہوں نے اسے محفوظ کرلیا۔ اور اس کی عکسی کاپیاں کرا کر اہلِ محبت میں تقسیم کر دیں۔ تاکہ یہ ضائع نہ ہو جائے۔ مجھے انہوں نے دو دفعہ اس کی فوٹو کاپی عطا کی ہے۔ پہلے والی مجھ سے کہیں کھو گئی تو انہوں نے کمالِ محبت سے دوسری کاپی عنایت کر دی۔

۳) اسرارؔ صاحب، پرنسپل کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ وہ صاحبِ علم وفضل ہی نہیں، علم وفضل کے قدردان بھی ہیں۔ درس وتدریس ان کا اوڑھنا بچھونا رہا ہے۔ وہ بہترین خطیب ہی نہیں اُردو اور پشتو کے صاحبِ کمال شاعر اور ادیب بھی ہیں۔ اہلِ علم اور

اہلِ قلم انہیں محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ وہ بے شمار مضامین اور کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے اکثر پر انہیں ایوارڈ مل چکے ہیں۔ حالانکہ وہ اس ظاہری نمود ونمائش سے بے نیاز فقیرانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ انکساری اور محبت ان کی پہچان ہے۔ وہ اپنے اسلاف سے ٹوٹ کر محبت کرنے والے ہیں۔ ان کی فکر اور حرف وقلم پر، اہلِ خبر اور اہلِ نظر کی چھاپ ہے جو ان کی گفتار اور کردار سے صاف جھلکتی ہے۔ وہ صابر وشاکر اور اہلِ ہمت ہیں۔ اس پیرانہ سالی میں بھی جب کہ وہ کئی ایک عوارض کا شکار ہیں۔ متحرک رہتے ہیں، کتاب، قلم اور کاغذ ان کی جان ہے وہ اس سے جدائی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتے۔ ایک دفعہ شورشؔ کاشمیری، ابوالکلام آزادؒ کی عیادت کے لئے دہلی گئے۔ کہا، مولانا آپ کی صحت تو پہلے سے بھی کمزور ہو چکی ہے۔ مولانا نے برجستہ فرمایا، ہاں یہ میری دماغی بدپرہیزیوں کا شکار ہوگئی ہے۔ اسرارؔ صاحب کے عوارضِ جسمانی کی وجہ بھی کچھ ایسی ہی ہے۔

۴) یہ قلمی مخطوطہ ''تذکرۂ جمیل'' 164 صفحات پر مشتمل ہے۔ ورق کا دوسرا صفحہ خالی ہے۔ اگر دونوں جانب لکھا فرض کرلیا جائے تو پھر اس کے 82 ورق بنتے ہیں۔ یہ عکسی نسخہ اے فور سائز کاغذ پر ہے مجموعی طور پر فارسی زبان میں ہے۔

۵) اس میں ''رسالہ حدیث'' بھی شامل ہے جو عربی زبان میں ہے۔ یہ استادِ گرامی علامہ لطف اللہ صاحبؒ نے سندِ فراغت کے وقت نہ صرف عطا کیا تھا بلکہ اس کی اجازت عطا فرمائی تھی۔ یہ انہوں نے اپنے استادِ گرامی کے سامنے حرفاً حرفاً، لفظاً لفظاً پڑھ کر سنایا تھا۔ استادِ محترم نے سماعت فرمائی تھی یہ رسالہ حدیث مع سند، جو عربی زبان میں 23

صفحات پر مشتمل ہے۔

۶) اس میں استادِ گرامی مولانا لطف اللہ صاحبؒ کے، صاحبِ تذکرہ کے نام نو (۹) عدد خطوط شامل ہیں۔ ایک خط عربی زبان میں ہے۔ چار (۴) مکتوب فارسی میں ہیں اور چار (۴) مراسلے اُردو زبان میں ہیں۔

۷) فارسی زبان ہمارے ملک میں اب تقریباً متروک ہو چکی ہے۔ ورنہ ایک دور ہم پر ایسا بھی گزرا ہے، جب یہ ہماری علمی زبان تھی۔ اور عوامی سطح پر بھی اس کا چلن عام تھا۔ مغربی تہذیب کے غلبے نے ہمیں اپنے قیمتی اثاثوں سے محروم کر دیا ہے۔ ہم اپنے ماضی سے کٹ چکے ہیں۔ یہی ہمارے زوال اور ناکامی کی وجہ ہے۔ بے حسی اور حیرت کی انتہا تو یہ ہے کہ ہم اپنا سب کچھ لٹا کر مطمئن بھی ہیں اور خوش بھی!

۸) میں نے ''تذکرۂ جمیل'' کے چیدہ چیدہ واقعات کا انتخاب کر کے اسے اُردو لباس پہنا دیا ہے۔ یہ ساری عرق ریزی میں نے نسلِ نو کے لئے کی ہے۔ یہ جستہ جستہ واقعات نہیں عزم وہمت کی روشنیوں کے پُرنور دائرے ہیں۔ جو اپنے پڑھنے والے کو دعوتِ فکر دے رہے ہیں کہ زندگی کی راتیں چاہے کتنی گہری اور تاریک ہوں عزم وہمت کی کمندیں ڈال کر جرأت وشجاعت کی چمکتی دمکتی بے نیام تلواروں سے شبِ تیرہ کے سینے کو پھاڑ کر آج بھی سورج طلوع کئے جا سکتے ہیں۔ قومی صبحِ بہار کے لئے ہمتِ مردانہ اور جرأتِ رندانہ کی ضرورت ہے۔ تب ہی ان منحوس تیرہ وتار اندھیروں سے جان چھوٹے گی۔

۹) آج ہمارا اپنے روشن اسلاف اور شاندار تاریخ سے رشتہ کٹ چکا ہے۔ غیروں کے نوالوں پر زندگی گزارنا ہماری ضرورت بن چکی ہے۔ بے شک ان نوالوں نے ہمارے

جسموں کو شادابی ورعنائی بخشی ہے مگر ہمارے فکر وتخیّل کی سرزمینوں کو بانجھ کر دیا ہے۔

۱۰) اپنے اسلاف اور اپنی تاریخ سے محبت کرنا، زندہ قوموں کی پہچان ہے۔ میں نے یہ ساری کاوش اسی جذبے سے سرشار ہو کر کی ہے۔

ع **شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات**

حرفِ تشکّر

ہر طرح کی حمد وثنا، تعریف وتوصیف اور تحسین وستائش اللہ ربُّ العالمین کے لئے ہی ہے۔ جس نے بندۂ ناتواں کو قرطاس وقلم کی محبت اور لکھنے کی توفیق بخشی۔ تخیل کو فراوانی و شادابی کی راہ دکھائی۔ حجازی ہواؤں سے شناسائی عطا فرمائی۔ ورنہ یہ بے علم وہُنر، رُوسیاہ اس قابل کہاں! کہ دو چار الٹے سیدھے لفظ ہی لکھ پائے۔ یہ سب اسی ربّ ذُوالمنن کا بے پایاں احسانِ عظیم ہے۔ یہ بندۂ بے حرف وصوت اُس کا شُکر ادا کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

اَن گنت درود وسلام، سیّدالمرسلین، خاتم النبیینؐ، شفیع المذنبین خواجۂ بدر وحُنینؐ، اہلِ بیت اور جُملہ مومنین وصالحین پر۔

میں (ر) پرنسپل جناب سیّد نورالحق باچا کا ازحد ممنون ہوں، جنہوں نے بندۂ صدق و صفا کفایت اللہ مرحوم ومغفور کی وفاکیشی کے متعلق معلومات فراہم کیں۔

سراپا لطف واحسان پرنسپل اسرار طوروی صاحب، کہ جنہوں نے دلنواز بہن سعیدہ بی بی صاحبہؒ کی وفاشعاری کی جانب توجہ دلائی۔

ہمشیرۂ محترمہ سابقہ پرنسپل سیّدہ زکیہ خانم صاحبہ جنہوں نے فراموش شدہ بھائی کفایت اللہ کی تربتِ بے نشاں کی نشاندہی فرمائی۔

میرے وہ کرم فرما، جن کی کرم فرمائیوں نے مجھے ہمیشہ حوصلہ وتوانائی فراہم کی۔

مشتاق الرحمٰن شفقؔ، پروفیسر عبدالعزیز پرواؔز، اکاؤنٹ آفیسر محمد سلیم ضیاؔء، محمد الیاس کھوکھر ایڈووکیٹ، چوہدری نور احمد سندھو ایڈووکیٹ، عرفان حیدر یلدرؔم، عزیزم عمر حسین، شاہد رشید شاؔہد، سعید الحسن ہاشمی، پروفیسر راشد علی، سیّد اعزاز علی شاہ، عزیزم شاہ سعود، ڈاکٹر غلام غوث، حافظ باسط اقبال، اصغر مدنی، سابق کونسلر عزیزم محمد خالد جان، خان عبدالجلیل خان، عزیزم محمد عمر سلیم، خوش ادا کمپوزر عزیزم محمد جہانگیر خان اور سُلطان القلم سلطان فریدی صاحب اس کے علاوہ افراد خانہ، حفیظ اللہ جان، فہیم اللہ جان اور پیوندِ جاں ساویزہ خانم، جن کی محبت ومعاونت نے مجھے تازہ دم اور آسودہ رکھا۔

میں اپنے جُملہ محسنین ومعاونین کی دین ودنیا کی کامرانیوں کے لئے بارگاہِ خداوندی میں دست بدعا اور سراپا التجا ہوں۔

توقیرِ خامہ

پروفیسر عبدالعزیز پرواؔز

پروفیسر محمد طیب اللہ کی زیرِ طبع تصنیف ''تذکرۂ جمیل'' کا مسودہ میرے سامنے ہے۔ بہ اعتبارِ موضوع یہ مسودہ ایک نابغۂ روزگار دینی شخصیت رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل کی سوانحِ حیات ہے۔ پروفیسر صاحب نے اپنے ممدوح کا تعارف جس منفرد انداز میں کیا ہے، بلاشبہ وہ لائقِ داد ہے۔ حافظ صاحبؒ کی حیاتِ جمیل سے وابستہ حالات وواقعات، میدانِ عمل کے ایک ایسے کوہِ گراں کا پتا دیتے ہیں جس کی عزیمت کو حوادثِ زمانہ ذرہ بھر متزلزل نہ کر سکے۔ موصوف نے حصولِ علم کی راہ میں درپیش شدائد کا جس استقامت کے ساتھ مقابلہ کیا، تشنگانِ علم کے لیے وہ جذبہ منارۂ نور کا درجہ رکھتا ہے۔ جستجوئے علوم میں ان کی بادیہ پیمائی کی روداد ایک دیومالائی قصہ معلوم ہوتی ہے۔

چلی ہے لے کے وطن کے نگارخانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو

میرے نزدیک اس غریب الوطنی اور حالات کی نامساعدت کے باوصف گوہرِ مقصود کا حصول نصرتِ غیبی کے بغیر ممکن نہ تھا۔ یقیناً کوئی ایسی غیر مرئی قوت ضرور ہوگی جس کی دستگیری کے طفیل آپ نے دشوار ترین گھاٹیوں کو سَر کیا اور جن مثالی کامیابیوں نے آپ کے قدم چومے، ان کے حصول پر لازم ہے کہ آپ کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرنے سے

قبل اس قادرِ مطلق کے حضور ہدیۂ تشکر پیش کیا جائے جس نے آپ کو عزم وہمت کی دولت سے نوازا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حافظ صاحبؒ اپنے عہد کے غزالی تھے۔ فارسی وعربی کی جن دینی کتب سے آپ نے استفادہ کیا ان کی فہرست نہایت طویل ہے۔ یہاں تذکرہ کتب کے تعدد کا ہے، ضخامت کا نہیں، وہ اس لیے کہ ہم نے انہیں دیکھا ہی نہیں۔ وہ شخصیت جس کے قلبِ منور میں اتنے چراغ روشن ہوں اور جسے نابغۂ عصر اساتذہ کا تلمذ میسر رہا ہو، اس کے بحرِ علوم ہونے میں کوئی شک نہیں۔

پروفیسر محمد طیب اللہ نے اس کتاب کی تیاری میں مآخذین کا جس عرق ریزی سے مطالعہ کر کے حقائق ومعارف کو قلم بند کیا ہے اور نگارش کو اشعار کے برمحل استعمال سے مزین کیا ہے، وہ قلمی کاوش بھی داد وتحسین کے قابل ہے۔

دُعا گو ہوں کہ،

اللہ رب العزت ممدوحِ عصر حافظ محمد عبدالجمیلؒ کی مغفرت فرمائے،

دقیقہ بہ دقیقہ ان کے درجات کو بلند کرے،

عصرِ حاضر کے متلاشیانِ علم کو مرحوم ومغفور کی تعلیمات سے استفادہ کی توفیق دے۔ اور مصنف کتاب ہٰذا کو مزید زورِ قلم سے نوازے۔ آمین

تحریر: اسرارالرحمٰن اسرارؔ طوروی

26-02-2021

آئینہ جمال

یعنی داستانِ عزم وہمّت پر اظہارِ خیال

عالم نہ مجھ سے پوچھئے میرے خیال کا
آئینہ بن گیا ہوں کسی کے جمال کا
شادانؔ

زیرِ نظر کتاب ''داستانِ عزم وہمّت'' حضرت مولانا حافظ محمد عبدالجمیلؒ کے ''تذکرۂ جمیل'' پر مبنی تصنیف ہے۔ ہمارے علم دوست بھائی محترم طیب اللہ صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دانش و فراست اور نفاستِ طبع کے ساتھ ساتھ زرِنگار قلم سے نوازا ہے۔ آپ نے پنجاب کی عالی دانشگاہوں میں عرصۂ دراز تک اُردو زبان وادب کی تدریس کا فریضہ ادا کیا ہے۔

یہ کتاب عاشقانِ علوم وفنون کے لئے ایک بے نظیر تحفہ ہے جس میں ایک صاحبِ عزیمت جوان کی محنت شاقہ کی کہانی ہے۔ مصنف شگفتہ اُردو زبان میں لکھنے کا گُر جانتے ہیں اور دلفریب انداز میں اظہارِ خیال کا تجربہ رکھتے ہیں۔ آپ کی نثر میں پھولوں کی مہک بھی ہے اور آموں کی مٹھاس بھی۔

نفَس نفَس ہے نسیمِ وفا مُحرّکِ شوق
یہ وہ مزا ہے جسے ذوقِ جاوِداں کہیئے
حافظ زکی

آپ کمالِ ہنر سے نثر پاروں کے دامن و گریبان میں کلامِ موزوں کے جھلملاتے نگینے ٹانکتے ہیں اس لئے قاری کتاب پڑھ کر جھوم جھوم جاتا ہے ۔

باغ میں سن کر غزل خوانی مری
بلبلِ شیدا ہے دیوانی مری

علومِ قرآن سے محبت کرنے والوں کے تذکروں میں دین و دنیا کی منفعت ہے اسی جذبے کا اظہار لائق و فائق بھائی نے ''حرفِ وضاحت'' میں کیا ہے، انہوں نے محنت کر کے حضرت مولانا صاحبؒ کے اساتذہ صاحبان کا، اُن کے پڑھے ہوئے علوم وفنون کا اور متعلقہ کتابوں کا اور اُن کے بعض رشتہ داروں کا مختصر مگر مدلّل تعارف کرایا ہے کتاب مختصر ہے مگر اس میں بہت کچھ ہے۔

میری دُعا ہے کہ اللہ کریم محترم بھائی کو بابرکت زندگی اور توفیق دے کہ یہ علمی جدوجہد جاری رکھیں اور اسی طرح مفید گلدستوں سے علمی محفلوں کو سجاتے رہیں۔ آمین

تذکرۂ جمیل، جنّت کی مہک کا اِک جھونکا

سیّد اعزاز علی شاہ

ہم بچپن سے ہی والدین اور بزرگوں سے سُنتے چلے آئے ہیں۔ کہ طورو کی خاک پورے ہندوستان میں علم و ادب کے لئے مشہور ہے۔ اس مردم خیز خطے نے آفتاب و مہتاب سے ہمسری کرنے والے نامور علمائے دین پیدا کیے۔ اسی قابلِ رشک نسبت کی وجہ سے یہ خطۂ پاک بخارائے صغیر کے لقب سے معروف ہوا، اور اپنے آسماں صفت حکماء کی وجہ سے یونانِ ثانی بھی کہلایا۔ جن کی تجلیوں سے سرزمین ہند اور دیگر خطے بھی منور ہوئے۔

مگر اے کاش! کہ ہم بھی اپنی آنکھوں سے اس جنت نظیر ماحول کا نظارہ کر سکتے۔ اور ان چلتی پھرتی فرشتہ سیرت پاکیزہ شخصیات کو دیکھ سکتے۔ اور ان کے قدموں تلے کی خاک بن جاتے۔ ان کی خدمت کرتے، ان سے فیض یاب ہوتے اور ان کی دُعائیں لیتے۔ مگر

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے، یہی انتظار ہوتا غالبؔ

تذکرۂ جمیل فارسی زبان میں لکھی گئی رئیس الحفاظ علامہ محمد عبد الجمیل صاحبؒ کی خودنوشت ہے۔ فارسی زبان اب ہمارے ملک میں تقریباً متروک ہو چکی ہے۔ نسلِ نو اس کی خوشبوؤں سے محروم ہے۔ خدا بھلا کرے محترم پروفیسر طیب صاحب کا، جنہوں نے

ہمت کر کے خوشبوؤں کے اس پٹارے کا ڈھکنا اُٹھا دیا ہے۔ تا کہ اس کی خوشبو سے ہر خاص وعام فیض یاب ہو سکے۔ اس سڑاند اور تعفن زدہ ماحول میں، آج اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اسلاف کی حیات بخش خوشبوؤں کو عام کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ تا کہ اس زوال پذیر اُمت کا، حال اور مستقبل پھر سے روشنیوں کا نقیب بن سکے۔ محترم پروفیسر صاحب کی یہ پُر خلوص کاوش، تپتے ہوئے صحرا میں بارش کا پہلا قطرہ اور ٹھنڈی ہوا کا صحت بخش جھونکا بنے۔

ان کا حرفِ انتساب خوب نہیں خوب ترین ہے۔ جس کے حرف حرف سے خوبصورت پیغام جھلک رہا ہے۔ ان کی یہ محترم کاوش ہر لحاظ سے مبارکباد کے قابل ہے جنہوں نے ان جلوؤں کو عام کرنے کے لئے خونِ جگر سے کام لیا ہے۔

سُنا ہے اس کے شبستاں سے متصل ہے بہشت
مکیں اُدھر کے بھی، جلوے اِدھر کے دیکھتے ہیں

فرازؔ

افتخارِ ہند، رئیس الحفاظ،
علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کے اساتذہ وتلامذہ کا
سلسلۃ الذھب،
اس سنہری زنجیر کی پاکیزہ کڑیاں،
حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے جا ملتی ہیں

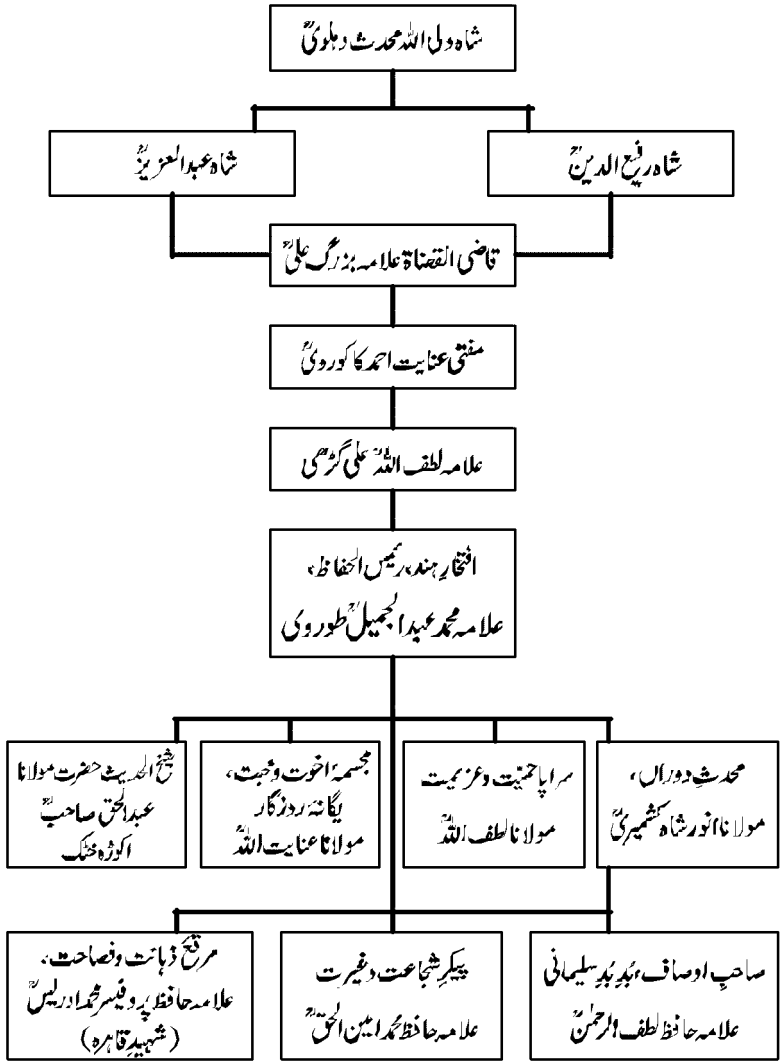

قاضی القضاۃ علامہ بزرگ علیؒ

مشہور مردم خیز قصبہ ''مارہرہ'' کے کنبوہ خاندان میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام ''علی حسن'' تھا۔ اکثر فرمایا کرتے تھے''لوگ جوانی میں زندگی کے لطف حاصل کرتے ہیں۔ہم نے تو شباب علم کی نذر کردیا۔''

ابتداءً لکھنؤ اور کلکتہ میں علم حاصل کیا۔ وہاں کے اساتذہ کے نام معلوم نہ ہو سکے۔ آخر کار دلّی کی درس گاہ میں حاضر ہوئے جو علمی لحاظ سے تمام ہندوستان کی ملجا وماویٰ تھی۔ شاہ عبدالعزیزؒ صاحب سے علم حدیث حاصل کیا۔علم ریاضی شاہ رفیع الدین صاحبؒ (جو شاہ عبدالعزیز کے بھائی تھے) سے پڑھا۔ جو اس فن میں امامِ وقت تھے۔

خدمات:

۱) آگرہ میں بحیثیت معلّم فرائض سرانجام دیئے۔

۲) دارالعلوم کلکتہ کے مہتمم رہے۔

۳) علی گڑھ میں منصفی کے عہدے پر فائز رہے۔

۴) نواب وزیرالدولہ مرحوم کے شدید اصرار پر''ٹونک'' میں قاضی القضاۃ کا عہدہ قبول کیا۔ پھر آخر دم تک وہیں رہے۔ 1262ھ میں انتقال ہوا۔ٹونک میں دفن ہوئے۔

تاریخ نگاروں نے ان کے درج ذیل اوصاف لکھے ہیں۔

تقویٰ، تدبّر، تواضع، تہذیب، دل نشین اور پُر اثر خطیب

مفتی عنایت احمد کاکورویؒ

پیدائش: 9 شوال 1228ھ

بمقام: دیوہ ضلع بارہ بنکی

شہادت: 7 شوال 1279ھ

عمر: 52 سال

جدہ کے قریب بحری جہاز چٹان سے ٹکرا گیا۔ مفتی صاحب اس وقت حالتِ احرام اور نماز میں تھے۔ غریقِ آب ہوکر شہادت پائی۔

---

۱) تیرہ برس کی عمر میں رام پور جا کر مولوی سید محمد صاحبؒ بریلوی سے صرف ونحو پڑھی۔

۲) مولوی حیدر علیؒ ٹونکی اور مولوی نورالاسلام صاحبؒ سے دیگر درسی کتب پڑھیں۔

۳) شاہ اسحاق محدث دہلویؒ سے حدیث پڑھی۔

۴) دلی سے علی گڑھ آئے۔ فنِ ریاضی اور دیگر علوم کی تکمیل علامہ بزرگ علیؒ سے کی۔

۵) تحصیل علم سے فراغت کے بعد یہیں پر مدرّس مقرر ہوئے۔ ایک سال مدرّس رہ کر علی گڑھ میں ہی مفتی ومصنف کے عہدے پر تقرر ہوا۔ اسی دور میں مولانا لطف اللہؒ علی

گڑھی صاحبؒ کے تلمذ کا سلسلہ شروع ہوا۔

۶) نواب عبدالعزیز خان کو باوجود آزاد منش وصاحبزادگی کے پڑھا دینا مفتی صاحب کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ نواب عبدالعزیز خان، نواب رحمت خان حافظ الملک شہیدؒ کے پوتے تھے۔

۷) 1857ء کا ہنگامہ فرد ہوا۔ تو بغاوت کے الزام میں جزیرہ انڈیمان بھیج دیئے گئے۔ یہ 1274ھ کا واقعہ ہے۔ جزیرہ انڈیمان کی قید سخت ابتلا وآزمائش کا دور تھا۔ ان کو جو سزا دی گئی وہ جزیرے کی غلاظت صاف کرنا تھی۔ نصف دن تک ٹوکری میں گندگی ڈھوتے رہتے جب اس کام سے فارغ ہوتے تو اپنی یاداشت پر سیرتِ نبوی ﷺ لکھتے۔ اسی حالت میں اس مجاہد وعاشق نے ''حبیبِ الٰہ'' کے نام سے سیرت لکھی۔ رہا ہونے پر ہندوستان آئے۔ کتاب پر نظر ثانی کی تو ایک بھی حوالہ غلط نہیں تھا۔ اس مجاہد کی یہ کتاب چھپ چکی ہے یہ وہ لوگ تھے جن کے قلوب میں حضور ﷺ کی سیرت نقش تھی۔ علامہ لطف اللہ علی گڑھی صاحبؒ ایسے ہی یگانۂ روزگار اساتذہ کے فیض یافتہ تھے۔

اُستاذ العلماء

علامہ مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ علی گڑھی

(پ:1826ء ف:1916)

وہ اپنے عہد کی نابغۂ روزگار ہستی تھے۔ یادگارِ زمانہ تھے اُن کی ذات، اسلاف کا عمدہ نمونہ تھی۔ ایسے لوگوں کے وجود کو صدیاں ترس جاتی ہیں۔ یہ افسانوی لوگ تھے جو چلے گئے۔ کہ جانا ہی ہر ایک کا مقدر ہے مگر اپنے پیچھے خوشبوؤں کے رواں دواں کارواں چھوڑ گئے۔

ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ، دینِ متین کی سربلندی کے لئے وقف تھا۔ انہوں نے نوے (۹۰) برس عمر پائی۔ باقاعدہ 34 برس درس وتدریس میں بسر کئے۔ ویسے 60 سال تک تدریسی اُمور میں مشغول رہے۔ مدرسہ کانپور ''فیضِ عام'' میں سات برس (۷) تک مدرّس رہے۔ ذرا ان کی تدریسی شان ملاحظہ ہو۔

۱) سحری کے وقت سے آغاز کرتے اور مغرب تک سولہ، سولہ اسباق روزانہ پڑھایا کرتے۔ پڑھانے کے دوران کا جوش وخروش اور انہماک دیدنی تھا۔

۲) مدرسہ علی گڑھ میں نمازِ فجر کے بعد آغاز کرتے اور عشاء تک تدریسی اُمور جاری و ساری رہتے۔ 20،20 اسباق روزانہ کا معمول تھا۔ ستائیس سال تک یہی معمول رہا۔

وہ وفورِ شوق سے پڑھاتے تھے۔ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے۔ انہوں نے اسی لگن کو اپنے شاگردوں میں منتقل کر دیا تھا۔ پیریڈ شمار کرنے والے دورِ جدید کے اساتذہ کی سمجھ میں یہ بات نہیں آسکتی۔ وہ نفس کی خواہشوں سے منہ موڑ چکے تھے۔ ان کا ایک ایک لمحہ اپنے نصب العین کے لئے وقف تھا۔ بلاخوف وخطر کہا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ اب کم یاب نہیں نایاب ہو چکے ہیں۔ دورِ حاضر اُن کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمان شکست کھا گئے۔ انگریزی راج کا سورج پورے جلال سے طلوع ہو چکا تھا۔ انگریزوں نے اپنی غضبنا کی اور چنگیزیت کے بھرپور مظاہرے کئے۔ تاکہ پورے ہندوستان میں اسلام کے چراغ گل کر دیئے جائیں۔ مگر ان اللہ والوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اسلام کے چراغوں کو فروزاں کئے رکھا۔

آندھیوں اور طوفانوں کے ڈر سے دبکے نہیں بلکہ پوری ہمت سے ٹمٹماتے چراغوں کو بجھنے نہیں دیا۔ ان کی روشنیوں کو بلند رکھنے کے لئے خونِ دل انڈیلتے رہے۔

آج برصغیر میں اسلام کی جو روشنیاں پھیل رہی ہیں یہ ان عظیم مجاہدوں کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے جو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، مدراس، افغانستان، ایران، سمرقند و بخارا اور روس کی بیشتر ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اسلام کے نور کے فروغ کا باعث ہیں۔

افتخارِ ہند، رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب کا ان کے نامور شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ بقول علامہ محمد حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ ''مولوی عبدالجمیل صاحب ان علماء کی فہرست میں آتے ہیں جن کی آج ہندوستان مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔'' رئیس

الحفاظ کی اپنے اس بے مثل استاد سے جو گہری عقیدت ومحبت ہے وہ اس جملے سے عیاں ہے۔ کہ ''استادِ محترم کی خاکِ پا میرے لئے سرمۂ چشم ہے۔ آرزو ہے کہ ان سے پھر ملاقات ہو۔ اوران کے قدموں کی خاک کو آنکھوں میں ڈالوں، جس کا ہر ذرہ اکسیر ہی نہیں اکسیر تر ہے۔''

فارسی زبان وادب

فارسی کی ابتدائی رائج الوقت کتابیں مولانا حافظ محمد عبدالجمیل صاحبؒ 1874ء تا 1878ء کے دوران پڑھ چکے تھے۔ حفظِ قرآن کے بعد یعنی 10 سال کی عمر میں فارسی تعلیم کا آغاز کیا۔ یہ سلسلہ 4 سال تک جاری رہا اسی اثناء میں ان کا ایک تعلیمی سال ضائع بھی ہوا جس کا انہیں ساری زندگی ملال رہا۔ تذکرۂ جمیل میں کئی بار انہوں نے بڑے افسوس کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے انہوں نے فارسی کی ابتدائی مروجہ تعلیم تین سال تک حاصل کی اور درج ذیل کتابیں پڑھیں اور انشا کے قواعد بھی سیکھے۔

نام کتاب مختصر تفصیل

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
1	کریما	شیخ مصلح الدین سعدیؒ شیرازی: متوفیٰ: 691ھ بمطابق 1293ء یہ کتاب فارسی نظم میں ہے 186 اشعار پر مشتمل ہے۔ اعلیٰ اسلامی اخلاق کی نمائندہ مثنوی ہے۔
2	نامِ حق	شیخ شرف الدین بخاریؒ: مزید حالات معلوم نہیں ہو سکے یہ کتاب بھی فارسی زبان میں لکھی گئی ہے۔ سادہ و دلچسپ انداز ہے۔ 190 اشعار پر مشتمل ہے اس میں طہارت، وضو، غسل، نماز، روزہ وغیرہ کے فقہی مسائل کو دلنشیں اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

3	محمود و آیاز شیخ	محمود نامہ سے ماخوذ ہے شاعر کا نام ابوالقاسم حسن بن احمد عنصریؒ بلخی ہے۔ متوفیٰ: 431ھ بمطابق 1040ء۔
4	بوستانِ سعدیؒ	شیخ مصلح الدین سعدیؒ شیرازی۔ متوفیٰ 691ھ بمطابق 1293ء یہ منظوم تصنیف ہے پند و اخلاق کا شاہکار ہے۔
5	یوسف و زلیخا	مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ متوفیٰ: 898ھ بمطابق 1493ء ''انہوں نے فارسی شاعری کو نیا حسن بخشا۔ ان کی شاعری میں صاف و شفاف بہتے ہوئے چشموں کی سی روانی ہے۔''

(ضروری وضاحت)

1878ء یعنی 14 سال کی عمر میں مزید علم کے لئے اسفار کا آغاز ہوا۔ علم کا یہ متلاشی کن کن مراحل سے گزرا۔ بہرکیف جرأتِ رندانہ اور ہمتِ مردانہ کے بل پر ہر مرحلے کو فتح کرتا ہوا گزر گیا۔ اُس نے کبھی پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا۔ مستی کردار نے بالآخر اُسے ساحلِ مراد سے ہمکنار کر ہی دیا۔ ہواؤں کے سامنے چراغ لے کر نکلنا اور اُسے بجھنے نہ دینا صاحبانِ عزیمت کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے۔ یہ باتیں اہلِ رخصت کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتیں۔ 1878ء بمطابق 1294ھ تا 1887ء بمطابق 1304ھ تقریباً 22 برس کی عمر تک علوم دینیہ و عقلیہ کی حسبِ ذیل کتابوں کی تحصیل کر چکے تھے۔ ان کی تحصیل انہوں نے موجودہ خیبر پختونخوا میں کی تھی یعنی سابق صوبہ سرحد میں۔

علمِ صرف (عربی) The Conjugation

صَرف وہ علم ہے جس میں کلمے (یعنی Word یا لفظ) کے اندر تبدیلی کے اصول بتائے جاتے ہیں۔ یعنی یہ لفظی تغیرات کے علم کا نام ہے۔ مثلاً عِلْمٌ سے بے شمار الفاظ بنائے جاسکتے ہیں۔ جیسے

عَالِمٌ ، مَعْلُوْمٌ ، مُتَعَلِّمٌ ، يَعْلَمُوْنَ ، تَعْلَمُوْنَ ، عُلُوْمٌ ، مُعَلِّمٌ وغیرہ۔

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
6	صرفِ میر	سید شریف جرجانیؒ (وفات 816ھ بمطابق 1413ء)
7	فصول اکبری	سید علیؒ اکبر آبادی (وفات 1090ھ بمطابق 1678ء)
8	صرفِ بہائی	بہاؤالدین عاملی (وفات 1031ھ بمطابق 1622)
9	مراح الارواح	احمد بن علی مسعودیؒ اس کتاب کی کئی شرحیں لکھی گئی ہیں مگر شارحین نے ان کی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔
10	نظم مائۃ عامل	عبدالقاہر جرجانیؒ (وفات 474ھ بمطابق 1081ء)
11	شرحِ مائۃ عامل	عبدالقاہر جرجانیؒ (وفات 474ھ بمطابق 1981ء)
12	حل ترکیبِ کافیہ	(فارسی صرف و نحو) مولوی محمد حسینؒ مزید حالات معلوم نہ ہو سکے۔

علم النحو (عربی) The Syntax

۱) یہ وہ علم ہے جس میں الفاظ / کلمات (words) اور کلام (sentences) کو صحیح طور پر جوڑنے کے قواعد بتائے گئے ہوں۔

۲) وہ علم جس میں اسم، فعل اور حرف کو جوڑ کر جملے بنانے کی ترکیب بتائی جاتی ہے۔

۳) علمِ نحو کے ذریعے اسماء کے آخری حصے یا آخری حرف کی حالت معلوم ہوتی ہے اور کسی جملے میں اسم کی حیثیت اور مقام کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً

اَلْكِتَابُ ، اَلْكِتَابِ ، اَلْكِتَابَ

كِتَابٌ ، كِتَابٍ ، كِتَاباً

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
13	نحو میر	سید شریف جرجانیؒ (وفات 816ھ بمطابق 1413ء)
14	ہدایت النحو	ابوحیان اندلسیؒ (وفات 745ھ بمطابق 1344ء)
15	کافیہ	ابنِ حاجبؒ (وفات 646ھ بمطابق 1249ء)
16	شرحِ مُلّا جامیؒ	عبدالرحمٰن جامیؒ (وفات 898ھ بمطابق 1492ء)
17	ایساغوجی	اثیرالدین البہریؒ (وفات 745ھ بمطابق 1344ء)

علمِ منطق

علمِ منطق ایک قدیم سائنسی علم ہے جس میں کسی بھی لفظ کی تعریف اور استدلال یا استنتاج (نتیجہ اخذ کرنا) کے طریقہ کار اور اصولوں پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کا بانی ارسطو کو قرار دیا جاتا ہے۔

منطق لفظ نطق سے نکلا ہے۔ جس کے معنی گفتگو کے ہیں۔ کیونکہ یہ علم ظاہری اور باطنی نطق میں نکھار پیدا کرتا ہے اس لئے اسے منطق کہتے ہیں۔ نطقِ ظاہری ''تکلم'' میں نکھار سے مراد یہ ہے کہ اس علم کا جاننے والا دوسروں کے مقابلے میں اچھے انداز سے گفتگو کرسکتا ہے۔ اور نطقِ باطنی (ادراک) میں نکھار سے مراد یہ ہے کہ اس علم کا جاننے والا اشیاء کے حقائق یعنی ان کی اجناس اور فصول وغیرہ سے واقف ہو جاتا ہے۔ یعنی اس ساری تفصیل کا مطلب ہے۔ علمِ منطق (Logic) فکر کی صحت، فکری سانچوں، صوری شکلوں اور طریقۂ استدلال سے بحث کرتا ہے اس کی بے شمار شاخیں ہیں۔ (وکی پیڈیا)

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
18	سُلم العلوم	محبّ اللہ بہاریؒ (وفات 1119ھ بمطابق 1707ء)
19	رسالہ میر زاہد	میر محمد زاہد ہرویؒ (وفات 1101ھ بمطابق 90-1689ء)
20	قطبی	قطب الدین رازیؒ (وفات 766ھ بمطابق 1366ء)

21	میر قطبی	سید شریف الدین جرجانیؒ (وفات 816ھ بمطابق 1413ء)
22	تصوراتِ میبذی	شرح ہدایت الحکمت: میر حسین میبذی (وفات 1069ھ بمطابق 85-1684ء)
23	الحاشیہ علیٰ حاشیہ میر زاہد، ملا جلال	عبدالعلی محمد بحر العلوم (وفات 1225ھ بمطابق 1810ء)

منطق/فلسفہ وحکمت

فلسفہ یونانی لفظ ''فلوسوفی'' (Philosophy) ہے یعنی حکمت سے محبت کرنا۔ Philia کا مطلب love اور Sophia حکمت ودانائی Wisdom کا مرکب ہے۔

فلسفہ کو تعریف کے کوزے میں بند کرنا ممکن نہیں۔ لہٰذا از منہ قدیم سے اس کی تعریف متعین نہ ہوسکی۔ فلسفہ علم وآگہی کا علم ہے یہ ایک ہمہ گیر علم ہے۔ جو وجود کے اغراض اور مقاصد دریافت کرنے کی سعی کرتا ہے۔ افلاطون کے مطابق فلسفہ اشیاء کی ماہیت کے لازمی اور ابدی علم کا نام ہے۔ جب کہ ارسطو کے نزدیک فلسفہ کا مقصد یہ دریافت کرنا ہے کہ وجود بذاتِ خود اپنی فطرت میں کیا ہیں۔

کانٹ اسے ادراک وتعقل کے انتقاد کا علم قرار دیتا ہے۔ فلسفہ کو ان معنوں میں ''ام-العلوم'' کہہ سکتے ہیں۔ کہ یہ موجودہ دور کے تقریباً تمام علوم کا منبع وماخذ ہے۔

علم ریاضی، علم طبیعات، علم کیمیاء، علمِ منطق، علمِ نفسیات اور معاشرتی علوم سب اس فلسفہ کے عطایا ہیں۔

نوٹ: اس کی بعض شاخیں مصنفین نے علمِ منطق سے ملادی ہے یہ تینوں علوم یک جان کردیئے ہیں۔ حکمت سے مراد معقولات ہیں اگر چہ بنیادی طور پر وہ فلسفہ ہی کی کتاب ہوتی ہے۔ (دائرۃ المعارف وکی پیڈیا)

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
24	صدرا کامل	صدر الدین شیرازیؒ (وفات 1050ھ بمطابق 41-1640ء)
25	شمس البازغہ	ملا محمود جونپوریؒ (وفات 1062ھ بمطابق 1652ء)
26	شرحِ چغمینی	موسیٰ پاشا رومیؒ۔ ان کی وفات کے بارے میں دو قول ملتے ہیں۔ (پہلا قول: 823ھ بمطابق 1419ء) (دوسرا قول: 841ھ بمطابق 1437ء)
27	تصدیقاتِ سُلم العلوم	المعروف بہ حمد اللہؒ۔ یہ شرح نہایت دقیق ہے۔ (وفات 1160ھ بمطابق 1747ء) (نوٹ: مفتی عبد اللہ ٹونکی کے حواشی اس پر کافی شہرت رکھتے ہیں)

28	جملہ تصدیقات	(یہ مبنی برحاشیہ شمس بازغہ: حاشیہ صدرا، شرح زبدۃ الاصول عاملی)
29	شرحِ سُلم قاضی مبارک	قاضی محمد مبارکؒ (وفات 1164ھ بمطابق 1751ء) قاضی صاحب دہلی میں مدفون ہے۔
30	تعلیقات برحمداللہ	مولوی حیدر علی بن حمد اللہؒ سندیلوی (وفات 1225ھ بمطابق 1810ء)
31	قاضی برمیرزاہد	حواشی برحاشیہ میرزاہد۔ قاضی محمد مبارکؒ گوپاموی (وفات 1164ھ بمطابق 1751ء) دہلی میں مدفون ہیں تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔
32	ملاحسن	مرادشرحِ مُسلم الثبوت: ملاحسنؒ (وفات 1209ھ بمطابق 1795ء) ان کا مزار رام پور میں ہے۔ ''طرزِ معقولی میں سُلم کی کوئی شرح اس کے مقابل نہیں ہوسکتی'' (حنیف گنگوہی ص290)
33	زبدۃ فی الاصول	بہاؤ الدین عاملی المشہور لقب ''شیخ بھائی'' تھا۔ (وفات 13 شوال 1031ھ بمطابق 20 اگست 1662ء طوس میں دفن ہوئے۔

34	بدیع المیزان	(فن منطق کی معیاری کتاب ہے) فضل امام خیرآبادی (وفات 1244ھ بمطابق 1828ء) ان کی تاریخِ وفات مرزا غالبؔ نے کہی ہے۔
35	اُمورِ عامہ	(یہ منطق وفلسفہ پر مشتمل ہے) مرزا محمد زاہد ہرویؒ ولد قاضی محمد اسلم ہرات میں پیدا ہوئے۔ (وفات 1111ھ بمطابق 1700ء) اس کی اب تک 9 شرحیں لکھی جاچکی ہیں۔
36	لطائف البیان	تاحال اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ (راقم الحروف)

علمِ معانی وبیان

(الف) علم معانی کو مقتضائے حال بنانے کی قدرت فراہم کرنے والا علم ہے۔ تاکہ کہنے والا، پڑھنے والے اور سننے والے کے حالات اور موضوعِ کلام کی مناسبت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف اسالیب بیان کو اختیار کرلے۔ چناچہ وہ کبھی خبر، کبھی انشا، کبھی ایجاز، کبھی اطناب کبھی فصل اور وصل سے کام لیتا ہے۔

(ب) **علم بیان:** ایک مضمون کو نت نئے انداز سے مختلف پیرائیوں میں بیان کرنے کی قدرت کا علم ہے۔ تاکہ مضمون زیادہ واضح، زیادہ دلکش ہوجائے اور بہت حد تک صحیح تصویر کشی ممکن ہوسکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے تشبیہات، استعارات وغیرہ کا استعمال کیا جاتا ہے۔

نوٹ: علم بدیع، کلام کے اندر صوری اور معنوی حسن ولطافت پیدا کرنے کی قدرت کا علم ہے۔ تاکہ کلام لفظی اور معنوی اعتبار سے خوبصورت ہوکر زیادہ مؤثر بن سکے جبکہ بعض علماء کے نزدیک یہ علم معانی ہی کا ایک حصہ ہے۔

علمُ البلاغۃ: علمِ بیان، علمِ معانی اور علمِ بدیع یہ تینوں علم بلاغت کا حصہ ہیں۔

(بحوالہ: خلیل الرحمان چشتی، قواعد زبان قرآن، جلد اول الفوز اکیڈمی اسلام آباد 2000ء، ص 27/26)

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
37	مطوّل	سعدالدین تفتازانیؒ (وفات 792ھ بمطابق 1389ء)
38	منیۃ المصلّی	سدید الدینؒ کاشغری (وفات تقریباً ساتویں ہجری بمطابق 1200ء)

علمِ فقہ

فقہ کے لفظی معنی گہری بصیرت اور گہرے فہم کے ہیں کسی چیز کے گہرے فہم کو عربی زبان میں فقہ کہتے ہیں۔ لیکن اصطلاحی اعتبار سے فقہ سے مراد ہے شریعت کے عملی احکام کا وہ تفصیلی علم جو تفصیلی دلائل کی بنیاد پر ہو۔ یہ بات بڑی اہم ہے۔ **کتاب الابھاج فی شرح المنھاج** جلد نمبر 1 میں فقہ کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ فقہ سے مراد شریعت کے ان احکام کا علم ہے جو عملی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں اور جو شریعت کے تفصیلی دلائل سے ماخوذ ہوں۔

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
39	قدوری	احمد بن محمد قدوری (وفات 428ھ بمطابق 1037ء)
40	کنز الدقائق	عبداللہ بن احمد نسفی (وفات 710ھ بمطابق 1310ء)
41	شرحِ وقایہ	عبیداللہ بن مسعود (وفات 747ھ بمطابق 1346ء)
42	ہدایہ	علی بن ابی بکر مرغینانیؒ (وفات 593ھ بمطابق 1197ء)
43	فرائضِ سراجی	سراج الدین سجاوندیؒ (وفات ساتویں ہجری بمطابق 1200ء)
44	نورالانوار	ملا احمد جیونؒ (وفات 644ھ بمطابق 47-1246ء)
45	شرحِ وقایہ مع حاشیہ چلپی	حسن چلپی بن شمس الدین محمد شاہ بن شمس الدین محمد بن حمزہ (وفات 886ھ بمطابق 1482ء)
46	شرحِ چلپی برتلویح	یہ بھی حسن چلپی کی شرح ہے جو انہوں نے تلویح پر لکھی ہے یہی غالب گمان ہے۔ واللہ اعلم
47	شرحِ الیاس	(مختصر الوقایہ دو حصے یکجا ہیں) شیخ محمود بن الیاسؒ (وفات کا پتہ نہیں چل سکا البتہ اس کتاب کی تکمیل انہوں نے 851ھ بمطابق 1447ء میں کی ہے۔)

علمِ اُصولِ فقہ

اُصولِ فقہ سے مراد قواعد وضوابط اور وہ اصول ہیں جن سے کام لے کر ایک فقیہ، قرآن مجید، سنت رسول ﷺ اور شریعت کے دوسرے مآخذ سے فقہی احکام معلوم کرتا ہے اور روزمرہ پیش آنے والے عملی مسائل کے لئے تفصیلی ہدایات مرتب کرتا ہے یعنی شریعت کے عملی احکام کو ان کے تفصیلی دلائل سے معلوم کرنے میں جو قواعد وضوابط مدد ومعاون ثابت ہوں۔ ان قواعد وضوابط کے مجموعے کا نام اصول فقہ ہے۔ یہ علم نہ صرف اسلامی علوم میں بلکہ تمام انسانی علوم وفنون میں ایک منفرد شان رکھتا ہے۔ یہ عقل ونقل کے امتزاج کا ایک ایسا منفرد نمونہ ہے جس کی مثال نہ صرف اسلام کی تاریخ میں بلکہ دوسرے علوم وفنون کی تاریخ میں بھی ناپید ہے۔

(بحوالہ: ڈاکٹر محمد احمد غازی، محاضراتِ فقہ، الفیصل غنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور، مارچ 2016، ص 55,37)

نمبر شمار	نام کتاب	مختصر تفصیل
48	اُصول الشاشی	اسحاق بن ابراہیم شاشیؒ (وفات 325ھ بمطابق 937ء)
49	حسّامی	حسام الدین محمدؒ (وفات 644ھ بمطابق 47-1246ء) (۱) درسی دنیا میں وہ حسامی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ (۲) مگر اہلِ علم انہیں ''ابی المناقب'' کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

50	تلویح	علامہ سعد الدین تفتازانی (وفات 792ھ بمطابق 1389ء) مایہ ناز کتاب ہے شہرہ آفاق شرح لکھی ہے۔
51	مختصر الوقایہ	عبید اللہ مسعود کے دادا تاج الشریعت نے لکھی۔ (وفات 673ھ بمطابق 1275ء)
52	تلخیص الوافی	شیخ حسام الدین بن علی صنعانی (وفات 711ھ بمطابق 1312ء کے بعد)
53	شرح (منتخب) حسّامی	امام حافظ الدین عبداللہ بن احمد نسفی (وفات 710ھ بمطابق 1311ء)

اس کے کئی شارحین ہیں غالب قیاس ہے کہ اس وقت نسفی کی شرح زیادہ رائج تھی۔

(نوٹ) اس کے بعد علی گڑھ سے رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کو جو سند ملی تھی۔ ان کتابوں اور مصنفین کا مختصر ذکر کیا جائے گا۔ تو اس کے آخر میں جملہ مآخذ بھی درج کردیئے جائیں گے۔ (راقم الحروف)

تذکرۂ جمیلؒ

اس کے مصنف رئیس الحفاظ، وحید العصر علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ ہیں۔ یہ اُن کی قلمی آپ بیتی ہے۔ جوانہوں نے فارسی زبان میں تحریر کی ہے اُس زمانے میں اس دیس کی علمی زبان فارسی تھی۔ پڑھے لکھے طبقے میں اس کا چلن عام تھا۔ گردشِ زمانہ کے ہاتھوں اب یہ متروک ہوچکی ہے۔ نسلِ نو کے لئے یہ اجنبی زبان بن کر رہ گئی ہے۔ اب ان کے لیے اس میں کوئی کشش نہیں ہے حالانکہ ہماری تہذیب وثقافت کا کثیر سرمایہ اس کے دامن میں پڑا ہوا ہے۔ شومئی قسمت، جسے ہم بحیثیتِ قوم فراموش کر چکے ہیں۔

تاہم یہ قلمی تذکرہ 110 سال گزرنے پر بھی ترجمہ واشاعت سے تاحال محروم ہے۔ یہ آپ بیتی مکمل نہیں ادھوری ہے۔ جو اُن کی زندگی کے صرف ابتدائی 36 سالوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جو 1864ء سے 1900ء تک کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔ اس میں ان کے علمی اسفار اور اس راستے میں درپیش مشکلات کا اختصار سے ذکر ہے۔ معاشی اور معاشرتی تکلیفوں کی جانب بھی واضح اشارات کیے ہیں۔ کہیں کہیں کچھ واقعات بھی اختصار سے قلم بند کر دیئے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ خودنوشت آنے والی نسلوں کے لیے اپنے اندر ہمت واستقامت اور جُہدِ مسلسل کا پیغام رکھتی ہے۔

یہ سوانح عمری خوابیدہ جذبوں کو بیدار کرتی ہے۔ خوداعتمادی میں اضافہ کرتی ہے۔

جذب وشوق کو انگیخت کرتی ہے۔ اس سچائی کا یقین دلاتی ہے کہ عظیم مقاصد کی خاطر چھوٹی موٹی تکالیف کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ اصل اہمیت تو مقصد کی ہوا کرتی ہے اور قربانیاں تو اس راستے کا دستور ہیں۔ آدمی کو کسی بھی حال میں بے ہمت نہیں ہونا چاہئے۔ رکاوٹوں کو خاطر میں لائے بغیر اپنے مقصد کی طرف گامزن رہنا چاہئے۔ طوفانوں پہ طوفان آئیں، موجیں غضبناک ہو جائیں، سفینہ ابھرنے ڈوبنے لگے، تب بھی حوصلوں کی پتوار چلاتے جائیں۔ دنیا نے بارہا یہ تماشا دیکھا ہے اور ان شاءاللہ دیکھتی رہے گی کہ ڈوبتے ہوئے سفینے بھی طوفانوں کی بلاخیزیوں کو شکست دے کر بالآخر ساحلِ مراد پر جا پہنچتے ہیں۔ ایسے ہی اہلِ ہمت کی جگرداریوں سے تاریخ زندہ وتابندہ رہا کرتی ہے۔ بصورتِ دیگر تاریخ تو مردہ وبے جان اوراق کا پلندہ ہے۔ جب تاریخ کی مردہ عروق میں اہلِ ہمت کا خون جگر دوڑتا ہے تب اُس کو زندگی سے شناسائی اور پذیرائی ملتی ہے۔ اہلِ ہمت کا اللہ کریم پر بھروسا اور اپنے مقصد سے جنون کی حد تک وابستگی وپیوستگی ضروری ہے۔ انہی دو باتوں سے کامیابیوں کے سورج کا ظہور ہوتا ہے۔

حضرت علاّمہ نے بے سروسامانی کے ساتھ علمی زندگی کا آغاز کیا اور انتہائی مشقتوں کے بعد 26 برس کی عمر میں تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے۔ بعدازاں کئی ایک دینی دانش گاہوں میں بحیثیت پرنسپل (صدر مدرس) کے فرائض سرانجام دیئے۔ مولاناؒ جہاں بھی گئے، اپنی محنت، قابلیت اور فرض شناسی کے گہرے نقوش چھوڑے یہ ان کے فخرِ روزگار اساتذہ کی تربیت کا فیضان تھا۔

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں
داغ

وہ رام پور، دہلی اور مدراس کے شہر ویلور میں مجموعی طور پر تقریباً 10 سال تک بحیثیت سربراہِ ادارہ درس و تدریس کے فرائض بخوبی سرانجام دیتے رہے۔ اُس وقت اُن کی عمر بمشکل 31/29 برس تھی کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء میں اُن کا شمار ہوتا تھا۔ ہندوستان کے اہلِ علم نے انہیں فخرِ ہند، فخرِ روزگار اور اس جیسے کئی ایک گرانقدر القابات سے یاد کیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ اور نواب حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ نے ان کے تذکرے محبت و احترام سے کیے ہیں۔ بہرکیف مولانا صاحبؒ 36 سال کی عمر میں وطن پلٹ آئے کہ اُن کے خانگی حالات مزید قیام کی اجازت نہیں دیتے تھے اور مسلسل اسفار سے ان کے جسم و جاں پر تھکن کے آثار غالب آ گئے تھے۔ اس دوران انہوں نے اپنی گزراوقات کے لیے شامت پور، خاناں، پلٹو، جاتکے اور غلہ ڈھیر میں زرعی اراضی بھی خرید لی۔ اپنی رہائش کے لیے مکان بھی تعمیر کرایا اور علاقائی رواج کے مطابق تقریباً 17/16 مرلے کا ایک مہمان خانہ بھی خریدا۔ جس میں وہ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا کام کیا کرتے تھے۔ یہاں ہمہ وقت علمی نشستیں بھی برپا رہتیں۔ عُرفِ عام میں تو یہ ایک ''مہمان خانہ'' تھا، مگر حقیقتاً علم و ادب کا مرکز تھا۔ ان علمی نشستوں کو رونق بخشنے والا ہر صاحبِ کمال اپنی ذات میں ایک مکمل ادارہ تھا۔ (انہوں نے 120 جریب زمین خریدی، یعنی 60 ایکڑ = دو مربعے اور 10 ایکڑ)۔ ان زرعی زمینوں سے آج اُن کی تیسری اور چوتھی نسل فیض یاب ہو رہی ہے۔ وہ صرف 36 سال کی عمر میں علمی اور عملی دنیا میں کامیابیوں کی اُن انتہاؤں تک پہنچ چکے تھے

جس کا آج تصور بھی محال ہے۔ وہ حقیقتاً ایک عبقری اور نابغۂ عصر تھے۔

اُن کی خودنوشت پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر معمولی انسان تھے۔ جو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں بے شک یہی وہ لوگ ہیں جو زمین کی آبرو ہیں۔ اور ان ہی کے دم قدم سے بازارِ حیات کی رونق قائم ہے یہ زمین کے چاند ہیں ان کا وجود ظلمتوں میں مینارۂ نُور ہے۔ جو معاشرے اپنے تابندہ اسلاف کو بُھلا دیتے ہیں وہ بہت جلد رسوائیوں اور ذلتوں کی دلدل میں دھنس جایا کرتے ہیں پھر جن کے انجام سے ہولناکیوں کو بھی پسینے آنے لگتے ہیں۔

میں نے حضرت مولاناؒ کی خودنوشت ''تذکرۂ جمیل'' کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ پہلا دور 1864ء تا 1878ء: 14 سال
۲۔ دوسرا دور 1879ء تا 1886ء: 8 سال
۳۔ تیسرا دور 1887ء تا 1900ء: 14 سال

یعنی جب وہ مستقل طور پر طور وتشریف لائے تو اُن کی عمر صرف 36 سال تھی۔ یہ جاگتی آنکھوں خواب دیکھنے کی عمر ہوا کرتی ہے۔ مگر مولاناؒ نے اتنی تھوڑی عمر میں علمی اور دنیاوی طور پر وہ کچھ حاصل کر لیا تھا جس کے لیے ساری ساری زندگیاں بھی صرف کر دی جائیں تو ان ناممکنات کو ممکن بنانا آسان نہیں۔ **وما توفیقی الا باللہ**

نمبر۱: 1869ء یعنی 5 سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید ختم کیا۔
نمبر۲: 1874ء میں 10 سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کیا۔
نمبر۳: ان کا تعلیمی ایک سال ضائع ہو گیا۔ جس کا انہیں اخیر عمر تک شدت سے افسوس

رہا۔تذکرۂ جمیل میں وہ اس کا جا بجا ذکر کرتے نظر آتے ہیں۔

نمبر۴: دو تین سال گورنمنٹ پرائمری اسکول طورو میں فارسی لکھنا پڑھنا سیکھتے رہے جماعت اول پاس کرنے کے بعد دینی علوم کے حصول کے لیے سفر پر نکل کھڑے ہوئے۔ اس وقت وہ عمرِ رواں کے 14 برس طے کر چکے تھے۔

نمبر۵: 1878ء میں مشقتوں بھرے دُور دراز کے علمی اسفار اختیار کیے آٹھ سال تک حصول علم کے لیے دشت نوردی اور کوہ پیمائی کرتے رہے۔

نمبر۶: دورانِ اسفار پیش آنے والے چند ایک ہوش ربا واقعات کا نہایت اختصار سے ذکر کیا جاتا ہے۔تاکہ صاحبِ سفر کی بلاکشی اور جذبۂ بلاخیزی کا قارئین کو اندازہ ہو جائے۔ تاریخ کے چہرے کا نکھار، ہمیشہ سے ہی صاحبانِ عزیمت کی جگر کاویوں کا مرہونِ منت رہا ہے۔

(i) بونیر وسوات کے کوہستانوں میں، رات کے وقت سفر کرتے ہوئے اس جنونی طالبِ علم کو خونخوار رہزنوں نے لُوٹ لیا۔ان کا اُصول تھا کہ لوٹنے کے بعد قتل کر دیا کرتے تھے۔تذکرہ نگار نے لکھا ہے کہ چادر، کپڑے، چند کتابیں اور تھوڑی بہت جو نقدی تھی وہ انہوں نے لے لی۔ بہرحال انہوں نے مجھ پر دو کرم کیے، ایک تن کے کپڑے رہنے دیئے اور دوسرا جان بخشی فرمائی۔ بے شک لوٹنے والوں نے سب کچھ لوٹ لیا مگر اس صاحبِ ہمت کا عزمِ سفر نہ لوٹ سکے۔

(ii) رات کا پچھلا پہر تھا اور یہ طالبِ علم حصول علم کے نشے سے سرشار، دشوار گزار کوہستانی علاقے میں تن تنہا سرگرمِ سفر تھا کہ اس خوفناک اندھیرے اور مہیب سناٹے میں

اچانک بھیڑیوں کے غول نے حملہ کر دیا۔تذکرۂ نگار نے تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے صرف اتنا لکھا ہے کہ اللہ نے کرم کیا اور بچا لیا۔

(iii) کوہستانی علاقوں میں تن تنہا، بار ہا پچاس پچاس میل کے پیادہ سفر کرنا پڑے۔ (یاد رہے پچاس میل اسّی کلومیٹر کے برابر ہوتے ہیں)

(iv) ان اسفار میں کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بھوک سے نڈھال ہو گئے تو خربوزوں کے پھینکے ہوئے چھلکے اکٹھے کیے اور کھا کر چشمے کا پانی پی لیا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ غریب الوطن مسافر خونی پیچش کا طویل عرصہ مریض رہا۔

(v) دوران اسفار وہ کئی ایک امراض کا بھی شکار رہے جس کی اذیت ہر صاحبِ احساس محسوس کر سکتا ہے۔

(vi) دورانِ طالب علمی مرضِ کابوس بھی تنگ کرتا رہا۔

	اُردو طبی نام	انگریزی میڈیکل نام
1)	ضاغوط، جانوم، کابوس	Incubus (ان کوبوس)
2)		Aphialtes (ایفی ال ٹیس)
3)		Nightmare (نائٹ مئیر)

(vii) اس غریب الوطن بے سروساماں طالب علم کو مرگی کے بار بار دوروں نے بھی مبتلائے اذیت کر رکھا تھا۔اس اذیت ناک بیماری نے دماغی، جسمانی اور تعلیمی سلسلے کو بھی متاثر کیے رکھا تھا۔پھر اللہ کریم نے معجزاتی شفایابی بھی عطا فرمائی۔

(نوٹ) طبی اصطلاح میں اس بیماری کے حسب ذیل نام ہیں۔

مرگی ، صرع ، مرضِ کاہنی ، اَبراقُلسا

اَبرقُلسا ایک یونانی بادشاہ کا نام ہے جو انتہائی درجے کا ظالم انسان تھا۔ یہ بیماری بھی بڑی ظالم ہے۔ آدمی کو کسی کام کے قابل نہیں رہنے دیتی اسی مناسبت سے اسے ''اَبرقُلسا'' کہا جاتا ہے۔ انگریزی اصطلاح میں Epilepsy کہتے ہیں۔

(viii) مرضِ ''دُنبل'' کا بھی شکار رہے۔ یہ پاؤں پر نکل آیا تھا جس کی شدت نے ایک طویل عرصے تک لاچار کیے رکھا۔ جو بگڑتے بگڑتے دبیلۂ منکوسہ کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس نامراد پھوڑے نے قریب المرگ کر دیا تھا۔

نوٹ: (دُنبل: پھوڑا ، بال توڑ: (واحد دُمل (عربی) جمع دمامیل)

انگریزی میں اس کے نام: (1) Biole (2) Furuncle

دبیلۂ منکوسہ: اوندھا پھوڑا، جو بہت گہرا ہو جائے۔

اس کے علاوہ یرقان کی بیماری میں بھی مبتلا رہے۔

(ix) رہ گئی بات فاقوں کی تو دورانِ طالب علمی فاقہ کشی تو زندگی کے معمولات میں داخل تھی۔ یعنی قبائے مفلسی میں درد کے پیوند برابر لگتے رہے۔ مگر ان میں سے کوئی رکاوٹ بھی مولاناؒ کے عزمِ بلند کو مضمل نہ کر سکی۔

بسلسلۂ تعلیم ہزارہ جا رہے تھے کہ ایبٹ آباد میں سیلابی ریلے میں ڈوب گئے قسمت میں آب ودانہ باقی تھا۔ اللہ کریم نے بچالیا۔

(x) عمر کا سترھواں سال تھا گھر سے کہیں دور کوہستانوں میں حصول علم کے لئے سرگرداں تھے۔ غمگسار وشفیق والدہ کی وفات کی تڑپا دینے والی خبر بھی سُنی۔ دلِ پُر درد پر جو

گزری، سو گزر گئی اللہ کے سوا کون جان سکتا ہے۔

(xi) علی گڑھ میں غالباً آخری تعلیمی سال تھا۔ کہ رحیم وکریم والدِ محترم کی وفات کی پُرغم اطلاع آئی کون جانے دل حزیں پر کیا کیا قیامتیں نہ گزر گئی ہونگی دل خون ہو گیا ہوگا، جگر پھٹ گیا ہوگا۔ مگر وائے بے بسی، صبر کے سوا کوئی چارا بھی تو نہیں۔

نمبر۷: 1886ء یعنی 22 سال کی عمر میں علومِ عقلیہ اور فقہی علوم کی تحصیل کر لی۔

نمبر۸: انہوں نے ان علوم کی 53 درسی کتب پڑھیں۔ بیشتر درسی کتب حفظ بھی کر لیں۔ جن کے موضوعات ادق اور عبارتیں پیچیدہ ہیں۔ بہر حال یہ ان کے غیر معمولی حافظے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

نمبر۹: مجموعی طور پر اس اثناء میں انہوں نے 28 اساتذہ کرام سے استفادہ کیا۔

نمبر۱۰: وہ 19 مقامات پر حصول علم کے لئے گئے کئی علاقوں میں بار بار جانا پڑا۔ اگر ان کو بھی شمار کیا جائے تو یہ 28 مقامات بنتے ہیں۔

نمبر۱۱: ان علمی اسفار میں عمر عزیز کے 8 سال صرف ہوئے یعنی جب پہلی دفعہ سفر پہ نکلے تو اس وقت ان کی عمر 14 سال تھی۔ 8 سال کے عرصے میں مذکورہ علوم کی تکمیل کی، تب ان کی عمر 22 سال ہو چکی تھی۔

نمبر۱۲: آئندہ صفحات میں، میں نے ان کے علمی اسفار کی ترتیب وار جدول بنادی ہے۔ جس میں سال، مقام، استاد اور پڑھی گئی درسی کتب کی تفصیل کو با آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔

نمبر۱۳: یہ جدول صرف خیبر پختونخوا (سابقہ صوبہ سرحد) کے اسفار پر مشتمل ہے۔

پہلا تعلیمی دور

1864ء تا 1878ء

۱۲۸۱ھ ۱۲۹۵ھ

یہ اُن کا پیدائش سے لے کر ابتدائی تعلیمی دور تک کا زمانہ ہے۔ اُن کا یہ تعلیمی سلسلہ اپنے گاؤں طورو اور قریبی قریہ ''غلہ ڈھیر'' تک محدود رہا۔ اس دوران ان کا ایک سال، تعلیمی لحاظ سے ضائع بھی ہوا۔ بفضلہٖ تعالیٰ انہیں جلد احساس ہو گیا وہ سنبھل گئے اور اُٹھ کھڑا ہوا، تعلیمی سلسلہ پھر سے استوار ہو گیا۔ اس وقت ان کی عمر عزیز کا چودھواں سال تھا۔ انہیں عمر بھر اپنے اس قیمتی سال کے زیاں کا شدت سے احساس رہا۔ تذکرۂ جمیل میں وہ اس کا جا بجا اظہار کرتے نظر آتے ہیں۔

''28 مقامات کے علمی اسفار، ترتیب وار ماہ وسال کے آئینے میں''

پیدائش: بمقام طورو محلّہ صدیق خیل، تحصیل وضلع مردان (خیبر پختونخوا)

شمسی کیلنڈر کے مطابق: بروز سوموار، 13 جون 1864ء

ہجری تقویم کے مطابق: بروز 2 شنبہ، 7 محرم 1281ھ

وفات: مدفن: قبرستان خاؤ باباؒ (یہ ان کا آبائی قبرستان ہے اور طورو سے 5/6 کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے)

تاریخ وفات: شمسی کیلنڈر کے مطابق بروز منگل 26 نومبر 1946ء

ہجری تقویم کے مطابق ۳ شنبہ، 2 محرم 1366ھ

شمسی تقویم کے مطابق کل عمر پائی: 82 سال، 5 مہینے، 13 دن

قمری تقویم کے مطابق کل عمر پائی: 84 سال، 11 ماہ، 24 دِن

نمبر شمار	سال	تفصیل	اساتذہ کے اسماء گرامی
1	1869ء 1286ھ	ناظرہ قرآن مجید ایک سال 2 ماہ میں ختم کیا۔	مدار شاہ صاحبؒ
2	1870ء 1287ھ	فارسی کی ابتدائی تعلیم: کریما سعدیؔ، نامِ حق، محمود و آیاز (تدریس قابل اطمینان نہ تھی)، استادِ محترم قریبی رشتہ-دار تھے۔	میاں عبدالرشید صاحبؒ
3	1873ء 1290ھ	حفظ قرآن: پہلا پارہ نصف یاد کیا طورو غلہ ڈھیر میں دو ماہ تک پڑھا۔ حاجیؒ صاحب سے سورۃ انفال تک غلہ ڈھیر میں یاد کیا۔	حافظ مدد صاحبؒ آف بونیر طورو حافظ عبدالصمد صاحبؒ غلہ ڈھیر حاجی صاحبؒ غلہ ڈھیر
4	1874ء 1291ھ	بقیہ قرآن حکیم اپنے والدِ محترم سے حفظ کیا۔ اس وقت عمر 10 سال تھی۔	مولانا حافظ محمد حفیظ اللہ صاحبؒ

5	1874ء 1291ھ	بعد از حفظ، والد محترم نے چند افراد کے ہمراہ، صاحب سواتؒ یعنی حضرت اخوند عبدالغفور صاحبؒ کے پاس دُعا کے لیے بھیجا اخوند صاحبؒ کی تاریخ وفات ''عاصی شعیب گفت'' یغفرہ 1295ھ بمطابق 1878ء ہے۔	والد ماجدؒ کی ہدایت پر سوات کا سفر اختیار کیا۔ دُعا کی غرض سے عمر 10 سال تھی۔
6	1874ء تا 1878ء 1291ھ تا 1295ھ	1۔ سرکاری پرائمری اسکول طورو میں داخل ہوئے۔ شاہ زرین صاحبؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ 2۔ پہلی جماعت کے استاد ہیڈ ماسٹر صاحب تھے۔ 3۔ پہلی جماعت پاس کرلی تو والد صاحبؒ نے فرمایا فارسی تعلیم کافی ہے۔ 4۔ بوستان سعدی بیرون مدرسہ پڑھی۔ ایک سال میں	1۔ شاہ زریں صاحبؒ (طورو) 2۔ بہرام صاحبؒ (طورو) 4۔ مولوی محمد شریف صاحبؒ (طورو)

دوسرا تعلیمی دور

1879ء تا 1886ء

۱۲۹۵ھ ۱۳۰۳ھ

(i) یہ حصول علم کے لئے ان کے علمی اسفار کی داستان ہے۔ جو ایک طرف، مصیبتوں، مشقتوں اور خطروں سے عبارت ہے۔ تو دوسری جانب ہمت واستقامت، جوش وجذبہ اور ولولہ وشوقِ فراواں کی بھی انتہا ہے۔

قافلۂ سخت جاں کے اس پُرعزم راہی نے بالآخر تمام تر رکاوٹوں کو شکست دے کر بلا کشانِ محبت کی یاد کو تازہ کردیا۔ ان کی یہ داستانِ شوق خونِ جگر سے عبارت ہے۔

(ii) میں نے ان کے اسفار اور تدریسی کتب کا ترتیب وار نقشہ سا بنا دیا ہے تا کہ اس کے پڑھنے والوں کو آسانی ہو۔

(iii) اس وقت ان کا تو سن عمر 23 ویں منزل میں داخل ہو چکا تھا۔ دوسرے دور کا اسی پر اختتام ہوتا ہے۔

نمبر شمار	سال	تفصیل	اساتذہ کے اسماء گرامی
7	1878ء ۱۲۹۶ھ	جناب بہرام خان ولد عبدالقادر خان کا کھلنڈرانہ سرگرمیوں پر غیرت وحمیت دلانا۔ آمادۂ تعلیم کرنا، خواب دیکھنا،	جناب بہرام خان ولد عبدالقادر خان صاحبؒ اس حیثیت سے استاد

		سراپا عقل و دانش والدہ ماجدہؒ کا تعبیر بتلانا، حصول علم کے لئے نئے جوش و ولولے اور پختہ عزم سے کمر بستہ ہونا۔ پھر اس آہنی عزم کو راستے کی کوئی رکاوٹ بھی شکست نہ دے سکی۔	ہیں۔ کہ انہوں نے خلوص سے رہنمائی فرمائی جس سے ان کی آئندہ زندگی منور ہو گئی۔ وگرنہ ان کی کتابِ حیات اندھیروں میں ڈوبی ہوتی۔ بہرام خان کے بارے تفصیل حاشیہ نمبر 1 پر
8	1879ء ۱۲۹۵ھ	مقام: خویشگے علاقہ: ضلع نوشہرہ کتب: 1۔ زلیخا یوسف 2۔ فرائض سراجی (ایک ماہ 5 دن میں حفظ کر لی) 3۔ منیۃ المصلّی 4۔ قدوری 5۔ کنز الدقائق 6۔ تلخیص وافی 7۔ اس کتاب کا ابھی صرف آغاز ہی کیا تھا۔	مولانا بحرالدین صاحبؒ

9	1879ء ۱۲۹۵ھ	مقام: موسیٰ زئی، علاقہ پشاور سے 4 میل کی مسافت پر ہے۔ کتب: کنز الدقائق	مُلا قلندر صاحبؒ
10	1880ء ۱۲۹۶ھ	مقام دھوبیان: علاقہ رزڑ، صوابی کتب: 1۔ تکمیل کنز الدقائق از کتاب عتاق 2۔ مختصر الوقایہ 3۔ شرح وقایہ تا کتابِ عتاق 4۔ شرحِ الیاس 5۔ شرحِ احسن چلپی	مولوی جلال الدین صاحبؒ
11	1881ء ۱۲۹۷ھ	مقام: گڑھی ماذوخاص اسماعیل زئی، علاقہ مردان 1۔ فقہ 2۔ اصولِ صرف ونحو 3۔ کنز الدقائق جلد آخر کا آغاز کیا تھا کہ استادِ محترم وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ	مولوی امیر اللہ صاحبؒ گڑھی اسماعیل زئی
12	1881ء ۱۲۹۷ھ	مقام: کوٹ، اسماعیل زئی، علاقہ مردان بقیہ کتب ان سے پڑھیں۔	مولوی فضل احمد صاحبؒ

13	1881ء ۱۲۹۷ھ	قریہ: چغرزئی، علاقہ سوات بقیہ جو کتب رہ گئی تھیں ان سے پڑھیں استادِ محترم کالوخان کے باشندے تھے	مُلا منصور علی صاحبؒ
14	1881ء ۱۲۹۷ھ	مقام: امازئی کوٹ، علاقہ دولت زئی، علاقہ مردان کتب: 1۔شرح وقایہ جلد آخر 2۔الشاشی 3۔فصولِ اکبر 4۔لطائف البیان، تقریباً ایک سال اقامت رہی۔	مولوی نظر محمد صاحبؒ
15	1882ء ۱۲۹۸ھ	مقام: سرخ ڈھیری، علاقہ مردان کتب: 1۔کتاب حسامی شروع کی۔ ایک ماہ گزر گیا پہلا صفحہ بھی ختم نہ ہوا۔ تدریسی انداز بے حد پیچیدہ تھا۔ مزید تعلیمی سلسلہ منقطع کر دیا۔	مُلا محمد صاحبؒ
16	1882ء ۱۲۹۸ھ	بمقام: بام خیل، علاقہ صوابی کتب: 1۔حسامی 2۔شرح حسامی 3۔نورالانوار استادِ محترم علم دفن میں	مُلا محمود صاحبؒ آف مایار

		باکمال تھے۔ مایار کے رہنے والے تھے	
17	1882ء ۱۲۹۸ھ	بمقام: بام خیل، علاقہ صوابی کتب: 1۔زُبدۃ الاصول پڑھی۔ 2۔وظائف حاصل کیے۔ 3۔دُعائیں لیں۔	مولانا عبدالحق صاحبؒ المعروف لالا جی صاحبِ دل اور صاحبِ نظر تھے۔
18	1883ء ۱۲۹۹ھ	مراجعت مقام کوٹ: اسماعیل زئی، علاقہ مردان کتب: 1۔صرفِ میر 2۔صرفِ بہائے 3۔مراح الارواح	مولوی فضل احمد صاحبؒ
19	1883ء ۱۲۹۹ھ	مقام: شیوہ، علاقہ رزڑ (صوابی) کتب: 1۔نظم مائۃ عامل 2۔شرح مائۃ عامل 3۔ہدایۃ النحو 4۔کافیہ 5۔ترکیب کافیہ نصف آخر پہلے پڑھی۔	مولوی محمد غفران صاحبؒ
20	1883ء ۱۲۹۹ھ	مقام: قصبہ رزڑ، علاقہ صوابی استادِ محترم، صاحبِ سوات اخوند	سیبویۂ ثانی مولوی حسن الدین صاحبؒ

		صاحبؒ کے مرید تھے۔ وہ اپنے فن میں باکمال تھے۔ اور سیبویہ ثانی کے لقب سے مشہور تھے۔ کتب: 1۔شرحِ مُلا جامی 2۔ترکیبِ کافیہ	
21	1883ء ۱۲۹۹ھ	بمقام: ڈھیری، نزد تحصیل رستم صاحب تذکرہ رقم طراز ہیں۔ کہ استادِ محترم مردِ باکمال تھے۔ افسوس زیادہ قیام کے حالات اجازت نہیں دیتے تھے۔ایک ماہ یا کچھ زیادہ قیام رہا۔ کتب: 1۔مقدمۂ کافیہ کا استفادہ کیا	سید میاں صاحبؒ
22	1884ء ۱۳۰۰ھ	بمقام: اتمانزئی، علاقہ ہشتنگر، چارسدہ کتب: 1۔ایساغوجی 2۔میر زاہد، نصف پڑھ سکا۔ گردشِ ایّام کے ہاتھوں یہ سفر نامراد رہا۔	مولوی صاحب کندیا علاقہ کوہستان کے باسی تھے مولوی صاحبؒ کندیا۔اسی نام سے معروف تھے۔

23	1884ء ۱۳۰۰ھ	بمقام: بالامانی، علاقہ پشاور استادِ محترم باکمال طبیب وعالم تھے۔ کتب: 1۔میر زاہد 2۔مقاماتِ بدیع	سید اکبر شاہ صاحبؒ
24	1884ء ۱۳۰۰ھ	مقام: چھچھ، ضلع اٹک کتب: دو تین ابواب علوم منطق کے پڑھے (صاحب تذکرہ نے کتاب کا نام نہیں ذکر کیا۔صرف رسالہ کہنے پر اکتفا کیا ہے)	مُلا محمد موسیٰ صاحبؒ
25	1885-86ء ۱۳۰۱-۲ھ	بمقام: زروبی، علاقہ صوابی کتب: 1۔قطبی 2۔میر قطبی 3۔سلم العلوم 4۔تصوراتِ میبذی 5۔مُلا حسن 6۔میر زاہد (مُلا جلال) 7۔قاضی بدمیر زاہد 8۔حمد اللہ 9۔میر زاہد 10۔قاضی مبارک ناتمام 11۔صدرا کامل	حضرت شاہ صاحبؒ زروبی یعنی شاہ سعید صاحبؒ

26	1886ء ۱۳۰۳ھ	بمقام: پڑانگ، علاقہ اشنغر، چارسدہ کتب: 1۔تصدیقات سُلم: حفظ بھی کی اور مہارت بھی حاصل کی۔ 2۔تصدیقات سُلم کو اس کے متعلقات سمیت بخوبی حفظ کر لیا۔ بے شک سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔	مولوی گل زمان صاحبؒ آف باجوڑ
27	1886ء ۱۳۰۳ھ	مقام: بَغہ، علاقہ پگلے (ہزارہ) قاضی مبارک ناتمام کے لئے سفر کیا تھا۔مولوی صاحبؒ فن معقول میں ماہر تھے۔مگر اندازِ تدریس نہایت اُلجھا ہوا تھا۔ ناکام پلٹ آیا، یہاں ایک سیلابی ریلے میں غرقاب بھی ہوئے اللہ نے بچالیا۔	مولوی جمعدلے صاحبؒ
28	1886ء ۱۳۰۳ھ	مراجعت: مقام، زروبی، علاقہ صوابی کتب: 1۔تلویح 2۔امورِ عامہ 3۔شمسِ بازغہ 4۔ ہدایہ 5۔مطول، فقہ کی تکمیل ہوئی۔	حضرت شاہ صاحبؒ (شاہ سعید صاحبؒ)

نوٹ: فقہ وقانون اور علوم عقلیہ کی تکمیل ہوئی۔الحمدللہ اس وقت مولاناؒ شباب کی تئیسویں منزل سے گزر رہے تھے۔علوم اسلامیہ کے حصول کے لئے ان کا وفورِ شوق اپنے عروج پر تھا۔ بہرحال وہ اپنے گاؤں طورو آ گئے۔اور شب وروز علومِ اسلامیہ کے حصول کی فکر میں غوطہ زن رہنے لگے۔

(حوالہ حاشیہ نمبر 1)

جناب خیراللہ خان صاحبؒ

(گاؤں، مندووال، تحصیل ضلع فتح جنگ، علاقہ راجڑ)

کہتے ہیں فتح جنگ میں اُس سال کوئی آفت یا مصیبت آئی تھی۔لہٰذا جناب خیراللہ خان نے وہاں سے ہجرت کی اور حمزہ کوٹ کے قریب بمقام چارغُلے (رستم) میں قیام پذیر ہو گئے۔اسی دوران انہوں نے اپنی دُختر نیک اختر نیک بی بی صاحبہؒ کا عقد مولانا حفیظ اللہ صاحب سے کر دیا اور اپنی دو بہنوں، گوہر دانی صاحبہؒ کا نکاح سیّد صلاح الدین المعروف حمزہ کوٹ باباجی صاحب سے کیا۔اور دوسری بہن دُردانی صاحبہ کی شادی جناب نواب جلال خان آف طورو سے کر دی۔

1۔ نیک بی بی صاحبہؒ مولانا حافظ محمد عبدالجمیلؒ صاحب کی والدہ ماجدہ تھیں۔

2۔ جلال خان صاحبؒ کی اہلیہ دُردانی صاحبہؒ نیک بی بی صاحبہ کی پھوپھی تھیں اور نیک بی بی صاحبہؒ، دُردانی صاحبہؒ کی بھتیجی تھیں۔

3۔ دُردانی صاحبہ کے دو بیٹے عبدالقادر خان اور بہادر خان شہید تھے۔

4۔ عبدالقادر خان اور بہادر خان نیک بی بیؒ کے پھوپھی زاد بھائی تھے۔

5۔ یہ دونوں صاحبان رشتے میں مولانا عبدالجمیل صاحبؒ کے ماموں تھے۔

6۔ لہٰذا بہرام خان ولد عبدالقادر خان مولانا عبدالجمیلؒ صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے۔ (بہرام خان، اکرام اللہ خان آف طورو کے دادا جان تھے)

---

۱) اس واقعے کے راوی: نورالحق باچہ کی ڈائری جوانہوں نے خود دکھائی۔

۲) کچھ حصے کی روایت: سیّدہ زکیہ خانم صاحبہ نے کی۔

۳) کچھ حصہ روایت کیا: سیّدہ صالحہ صاحبہ نے

۴) بی بی دُردانی صاحبہ کے شوہر کے نام کی معلومات بذریعہ سابق کونسلر عزیزم خالد جان، جناب عبدالجلیل خان صاحب نے فراہم کیں۔

تذکرۂ جمیل میں جناب بہرام خان صاحبؒ آف طورو کا لائق تحسین یادگاری تذکرہ

''بحوالہ: تذکرہ جمیلؒ ص:14 (غیر مطبوعہ)''

جناب بہرام خان صاحبؒ رشتے میں رئیس الحفاظ مولانا محمد عبدالجمیلؒ صاحب کے ماموں زاد بھائی تھے۔ انہوں نے زندگی کے کٹھن مراحل میں مولاناؒ کی مخلصانہ مدد اور راہنمائی فرمائی تھی جسے مولاناؒ نے ہمیشہ یاد رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خانِ عالی مقام جناب بہرام خان ولد عبدالقادر خانؒ آف طورو کا ذکر نہایت عقیدت ومحبت سے کیا ہے۔ اُن کے حرف حرف اور لفظ لفظ سے عزت واحترام کے زمزمے بے دریغ پھوٹ رہے ہیں وہ اپنے خوش کردار ماموں زاد بھائی جناب بہرام خان کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''خان صاحب والا شان بهرام خان پسر عبدالقادر خان که بحسن اخلاق و عقل و شجاعت یکتاءِ زمان و به فراست و کیاست دربلدۂ بی نظیر است، ایشان اکثر دستگیر شریفان و غریبان است نهایت رحمدل مردِ نیك بخت سعید ابن سعید شیوۂ او بوده که از آں زمانه تا ایں زمانه همراهِ من بالطافِ خسروانه پیش آمده و اکثر احساناتِ داد و دهش برمن از ایں وقت فرموده و از هزارها بدطینتان مرا رهانیده و از ورطۂ

هلاکت بسلامت بر کناره رسانیده و از کشتی غریقه مرا برلبِ دریا رسانیده، کتابها برائے من خریده زینها بخشش داده، تعظیم و تکریم ما تاحال کنانیده درهمسران مرا سرخ رو فرموده، بطفیل سفارشِ من بسیار مجرمان را رها کرده و بالجمله ذات ستوده صفات مکرم و منعم"... است. جزاه الله خیر الجزاء "تذکره ص: ١٤"

''عالی مرتبت بہرام خان صاحب، پیکرِ حُسن واخلاق ہیں۔ ذہانت وشجاعت کا مجسمہ ہیں، فراست ولیاقت کا مرقع ہیں۔ غریب غرباء کی معاونت میں ہمیشہ پیش پیش رہتے ہیں۔ نرم خُو اور رحم دل ہیں۔ سراپا اوصاف ہیں۔ خوش نصیب باپ کے سعادت مند فرزند ارجمند ہیں۔

اس عالی مرتبت ہستی کی عنایتِ عالیہ کا سلسلہ مجھ ناچیز پر اب تک جاری وساری ہے۔ ان کی بے پناہ کرم فرمائیوں کی بدولت، میں زمانے کے بدطنتیوں سے محفوظ رہا اور میرا سفینۂ حیات، بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی ساحلِ مراد سے ہم کنار ہوا۔ انہوں نے میری علمی ضرورتوں کے پیشِ نظر بے شمار کتابیں خرید کر مجھے ہدیہ کی ہیں۔

اس عالی اوصاف نے ہمیشہ خاکسار کو تعظیم وتکریم سے نوازا ہے۔ میرے حق میں اُن کا جذبۂ فیض رسانی، میرے ہم عصروں کے لئے ہمیشہ قابلِ رشک رہا ہے۔ خاکسار کی سفارش پر انہوں نے بہت سے مجرموں کو رہائی دلوائی ہے۔ بے شک اُس صاحبِ جود وسخا کی ذات ہر لحاظ سے لائقِ تحسین اور قابلِ ستائش ہے۔ ''**جزاهُ الله خیر الجزاء**''

محترم المقام، جناب خان بہرام خانؒ

ولد خان عبدالقادر خانؒ

''یہ نایاب تصویر 1875ء کے دور کی ہے''

(بشکریہ جناب شہریار خان ولد شیر زمان خان آف طورو)

صاحبِ تذکرہ بہرام خان صاحبؒ کے بارے رقم طراز ہیں،

اکثر نانِ شبینه در رمضان همراه خانصاحب بهرام خان بدسترخوانِ اوشان تناول میکردم، این خان تذکره بالائے ایشان کرده ام. غالباً که در عالمِ ارواح مهربانی ایشان برمن بوده و تاحال ازطرف من کدام خیرِ دنیاوی باایشان نرسیده، الا الدّعاءِ سحر، و هو المستجاب. (ص103، تذکرۂ جمیل)

(ان دنوں) ماہِ رمضان میں، جناب بہرام خان صاحب کی پُرخلوص رفاقت میں اکثر و بیشتر رات کا کھانا انہی کے دولت کدے پر تناول کیا کرتا۔ گزشتہ صفحات میں ان کے لطف و کرم رقم کر چکا ہوں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے عالمِ ارواح سے ہی ان کی نوازشات کا سلسلہ ناچیز پر جاری وساری ہے۔ حالانکہ بندۂ عاجز سے تاحال انہیں کوئی دنیاوی فائدہ نہیں پہنچا۔ بجزاس کے، کہ وہ میری دُعائے سحر گاہی میں ہمیشہ یاد رہتے ہیں۔ اللہ کریم ان کے حق میں، خاکسار کی دُعاؤں کو قبول فرمائے۔ آمین

سیفؔ کس طرح بھلائے گا تجھے
کیا ترے لطف و کرم یاد نہیں
سیف الدین سیفؔ

”فہرست ہائے اساتذہ کرام“

رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ نے جن اساتذہ کرام سے کسبِ فیض کیا۔ ان عالی مرتبتوں کی تعداد 28 ہے۔ (اللہ کریم اُن کو بلندترین مقام عطا فرمائیں۔ آمین) یہ فہرست 1886ء/۱۳۰۳ھ تک کے اساتذہ کرام کی ہے۔ جن کا تعلق صوبہ خیبر پختونخوا سے ہے کیونکہ اس کے بعد وہ مزید علمی سفر کے لئے بذریعہ ریل گاڑی لاہور سے ہوتے ہوئے دیوبند پہنچے۔ ان دنوں صدر مدرس حضرت مولانا سید احمد صاحب سفرِ حج پر جاچکے تھے۔ وہاں ایک دوروز قیام کیا مگر یہاں بھی گوہرِ مقصود نظر نہ آیا تو پھر مفتی عبداللہ ٹونکی کے فرمان کی روشنی میں علی گڑھ چلے گئے۔ جب جامع العلوم والکمالات حضرت مولانا لطف اللہ صاحب کے رُخِ انور پر نگاہ پڑی، تو سورہ یوسف کی آیت ”مَا هٰذَا بَشَراً ط اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ہ“ کے نورِ مبین سے چہرے کو منور پایا۔

ظرفِ نظر کہاں کہ ترا چہرہ دیکھئے
ذرّے سے آفتاب سنبھالا نہ جائے گا
عاصیؔ کرنالی

بے ساختہ نگاہوں نے بوسے لئے، دل نے گواہی دی، ہاں! یہی بے قراروں کی جائے قرار ہے یہی وہ مقامِ رنگ و بو ہے جہاں شوقِ علم وعمل کے غنچے گلستانوں کا روپ دھارتے ہیں۔ جہاں بادِ نسیم شوقِ قدم بوسی میں لڑکھڑاتی ہوئی آتی ہے پھر ان خوشبوؤں کو

پلکوں سے چُن چُن کر اپنے دامن دِل میں سمیٹتی ہے۔ اور مشرق و مغرب کے بے آب و گیاہ خاک زاروں میں مستانہ وار بکھیرتی چلی جاتی ہے۔ ہاں! یہی وہ مقامِ شوق ہے جہاں رنگ ونُور کے چشمے اُبلتے ہیں۔

پھر زبانِ حال سے

؎ آفاقہا گردیدہ ام، بہر بُتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام، لیکن تو چیزے دیگری

کہہ کر حضرت کی خاکِ پا سے وابستہ ہوگئے پھر دُنیا نے یہ تماشا بھی دیکھا، کہ اسی خاک پاک کے ذرّوں نے طورو کی اکسیر کو اکسیر تر بنا دیا۔ اللہ اکبر کبیراً والحمدللّٰہ کثیراً، چنانچہ باقی ماندہ علوم کی تکمیل اسی مقام سے ہوئی۔ سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد جس بھی علمی ادارے میں گئے بحیثیت سربراہِ ادارہ فرائض سرانجام دیئے۔ یہ ان کے اُستادِ محترم حضرت مولانا عبدالحق المعروف لالاجی صاحبؒ آف بام خیل کی دُعا کا فیضان تھا۔ انہوں نے ایک دفعہ خوش ہوکر اپنے اس وفا شعار طالب علم کو دُعا دی تھی۔

''ہر جا باشی، صدر باشی''

نمبر شمار	اسماءِ گرامی اساتذہ کرام	کیفیت	علاقہ و مقام
1	جناب مدار شاہ صاحبؒ	ناظرہ قرآنِ حکیم	طورو، محلّہ صدیق خیل
2	جناب میاں عبدالرشید صاحبؒ	فارسی ابتدائی تعلیم	طورو، ضلع مردان
3	جناب حافظ مدد صاحبؒ آف بونیر	حفظِ قرآن، پہلا نصف پارہ	طورو، ضلع مردان
4	جناب حافظ عبدالصمد صاحبؒ	۲ ماہ تک اُن سے یاد کیا	غلہ ڈھیر، مردان
5	جناب حافظ حاجی صاحبؒ	سورۃ انفال تک یاد کیا	غلہ ڈھیر، مردان
6	والدگرامی جناب مولانا حافظ محمد حفیظ اللہ صاحبؒ	باقی والناس تک ان ہی سے حفظ کیا۔	طورو، ضلع مردان
7	جناب شاہ زرین صاحبؒ	گورنمنٹ پرائمری سکول	طورو، ضلع مردان
8	جناب بہرام صاحبؒ (ہیڈ ماسٹر)	گورنمنٹ پرائمری سکول، جماعت اوّل پاس کی	طورو، ضلع مردان
9	جناب مولوی محمد شریف صاحبؒ	بوستان سعدی، علاوہ اسکول	طورو، ضلع مردان

نمبر شمار	اسماءِ گرامی اساتذہ کرام	دینی تعلیم علم معقول	علاقہ ومقام
10	جناب مولانا بحرالدین صاحبؒ	//	خویشگی، نوشہرہ
11	جناب مُلا قلندر صاحبؒ	//	موسیٰ زئی، پشاور
12	جناب مولوی جلال الدین صاحبؒ	//	دھوبیان، مردان
13	جناب مولوی فضل احمد صاحبؒ	//	کوٹ، بونیر
14	جناب مولوی امیر اللہ صاحبؒ	//	گڑھی اماذو، مردان
15	جناب مُلا منصور علی صاحبؒ آف کالوخان	//	چغرزئی، سوات/بونیر
16	جناب مولوی نظر محمد صاحبؒ	//	امازئی، دولت زئی، مردان
17	جناب مُلا محمد صاحبؒ	//	سُرخ ڈھیری، مردان
18	جناب مُلا محمود صاحبؒ آف مایار	//	بام خیل، صوابی
19	جناب مولانا عبدالحق لالاجی صاحبؒ	//	بام خیل، صوابی

20	جناب مولوی حسن الدین صاحبؒ، سیبویہ ثانی	//	رزڑ، صوابی
21	جناب مولوی محمد غفران صاحبؒ	//	شیوہ، صوابی
22	جناب سید میاں صاحبؒ	//	ڈیری، مردان
23	جناب مولوی صاحبؒ آف کُنڈیا	//	اتمانزئی، چارسدہ
24	جناب سید اکبر شاہ صاحبؒ، ''حکیم حاذق''	//	بالامانی، پشاور
25	جناب مولانا شاہ سعید صاحبؒ	//	زروبی، صوابی
26	جناب مولوی گل زمان صاحبؒ آف باجوڑ	//	پڑانگ، چارسدہ
27	جناب مُلا محمد موسیٰ صاحبؒ	//	چھچھ، ضلع اٹک
28	جناب مولوی جمعدلے صاحبؒ	//	بفہ، پگلے، ہزارہ

''نام مقامات''

نوٹ: افتخارِ ہند، رئیس الحفاظ، علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب نے مندرجہ ذیل مقامات سے علمی استفادے کئے ہیں۔ کئی مقامات پر انہیں پلٹ کر دو دو تین تین بار جانا پڑا۔ اگر بار بار کے علمی اسفار کو بھی شمار کیا جائے تو یہ 28 مقامات بنتے ہیں اگر ایک دفعہ شمار کیا جائے تو پھر 19 مقامات ہیں۔

نمبر شمار	نام مقام	تفصیل علاقہ
1	طورو	مردان
2	غلہ ڈھیر	مردان
3	خویشگے	نوشہرہ
4	موسیٰ زئی	پشاور
5	دھوبیان	رزڑ، صوابی
6	گڑھی امازئی	مردان
7	کوٹ	علاقہ بونیر
8	چغرزئی	سوات/بونیر
9	کوٹ امازئی	دولت زئی
10	سرخ ڈھیری	مردان

11	بام خیل	مردان
12	شیوہ	صوابی
13	ڈھیری	تحصیل رستم، ضلع مردان
14	اتمانزئی	ہشتنگر، اشنغر (چارسدہ)
15	بالامانی	پشاور
16	چھچھ	اٹک
17	زروبی	صوابی
18	پڑانگ	چارسدہ
19	بفہ، پگلے	ہزارہ، ایبٹ آباد

''تفصیل ہائے تدریسی کتب''

جو علامہ حافظ محمد عبدالجمیل صاحبؒ نے 22 سال کی عمر تک پڑھ لی تھیں اس دوران وہ فقہی قانونی اور عقلی علوم، سے رائج الوقت نصاب کے مطابق ان کی تحصیل کر چکے تھے۔ان درسی کتابوں میں بیشتر ایسی بلند پایہ کتب کو دورانِ تدریس حفظ بھی کر چکے تھے۔

(i) نمبر شمار کے لحاظ سے پہلی چار کتابیں انہوں نے 6 تا 10 سال کی عمر میں پڑھیں تھیں یعنی 1870ء تا 1874ء۔

(ii) نمبر 5 سے لے کر نمبر 51 تک انہوں نے (1874ء، ۱۲۹۱ھ تا 1886ء، ۱۳۰۳ھ) میں پڑھیں تھیں۔

نمبر شمار	نام کتب	نمبر شمار	نام کتب
1	کریما سعدیؔ	2	نامِ حق
3	محمود وایاز شیخ	4	بوستانِ سعدی (1870ء تا 1874ء)
5	زلیخا و یوسف	6	فرائضِ سراجی
7	منیۃ المُصلّی	8	قدوری
9	کنز الدقائق	10	تلخیصِ وافی
11	مختصر الوقایہ	12	شرحِ وقایہ

13	شرحِ چغمینی	14	شاشی
15	فصولِ اکبری	16	لطائف البیان
17	زبدۃ الاصول	18	صرفِ میر
19	صرفِ الخو	20	صرف بہائے
21	مراح الارواح	22	مائۃ عامل نظم
23	شرحِ مِائۃ عامل	24	ہدایتِ النحو
25	کافیہ	26	ترکیبِ کافیہ
27	شرحِ مُلّا جامی	28	میرزاہد
29	بدیع الزّمان	30	قطبی
31	میر قطبی	32	سُلم العلوم
33	تصوراتِ میبذی	34	مُلا حسن
35	میرزاہد مُلا جلال	36	قاضی بر میرزاہد
37	حمداللہ	38	قاضی مبارک
39	صدرا کامل	40	تصدیقاتِ سُلم
41	جملہ تصدیقات	42	تلویح
43	اُمورِ عامہ	44	شمسِ بازغہ
45	ہدایہ	46	مطوّل

47	ایساغوجی	48	حسامی
49	شرحِ حسامی	50	نورالانوار
51	شرحِ چغمینی	52	شرحِ الیاس
53	شرحِ تلویح		

نوٹ: ان کتابوں سے فارغ ہوئے تو اپنے گاؤں طورو واپس آ گئے شباب کی 22 منزلیں طے کر چکے تھے۔ان کا دوسرا علمی دور بخیر وخوبی اپنے اختتام کو پہنچ گیا کچھ دنوں کے بعد تیسرے علمی دور کا آغاز ہوا۔یعنی مزید حصولِ علم کے لئے، ہندوستان کو عازمِ سفر ہوئے۔آئندہ اوراق میں اسی داستانِ شوق کو قلم بند کیا گیا ہے۔

''تذکرۂ جمیلؒ'' کی روشنی میں

''افتخارِ ہند، رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کے جملہ علمی اسفار کے سلسلے میں پیش آمدہ، تاریخ وار اہم واقعات کی مختصر سی جھلک''

بوند ہوں کامِ صدف تک مجھے پہنچا دینا
شورشِ موج میں خود میری حفاظت کرنا خورشیدؔ رضوی

1۔ 1874ء بمطابق ۱۲۹۱ھ:

اپنے والد گرامی حضرت مولانا حافظ محمد حفیظ اللہ صاحبؒ سے قرآن کریم حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی۔مجموعی طور پر پہلے 9 پارے، طورو اور غلہ ڈھیر کے تین اساتذۂ کرام سے حفظ کیے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہے۔ چنانچہ بقایا 21 پارے انہوں نے اپنے والد گرامی سے ازبر کئے۔اُس وقت ان کی عمر 10 سال تھی حفظ قرآن کے بعد والد محترم کے حکم سے چند آدمیوں کے قافلے کے ہمراہ سیدو شریف (سوات) روانہ ہو گئے۔اس وقت قطبِ دوران حضرت اخوند عبدالغفور صاحبؒ سیدو شریف میں مقیم تھے۔والد محترمؒ نے اپنے اس لختِ جگر کو ''صاحبؒ سوات'' کے پاس بغرضِ دُعا بھیجا تھا۔ اس مردِ خدا رسیدہ سے دُعا حاصل کی اور واپس آ گئے۔10 سال کی عمر میں یہ ان کا پہلا سفر تھا۔حضرت اخوند صاحبؒ نے 1878ء (۱۲۹۵ھ) میں وفات پائی۔

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا
شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
حالی

درد کی راہیں نہیں آساں ذرا آہستہ چل
اے سُبک رو، اے حریفِ جاں ذرا آہستہ چل
فراز

2۔ بروز جمعرات بوقت صبح، 20 دسمبر 1878ء 24 ذوالحجہ ۱۲۹۵ھ

(i) نوٹ: ''یہ عیدالاضحیٰ کا چودھواں دن تھا اور ذوالحجہ کی 24 تاریخ تھی''
اس وقت مولانا صاحبؒ کی عمر 14 سال تھی یہ ان کا پہلا علمی سفر تھا۔
مقام: خویشگے، علاقہ نوشہرہ

(ii) اسی سال حضرت اخوند صاحبؒ کی وفات کی خبر سُنی۔ علماء، تلامذہ کا جمِ غفیر سیدو شریف پہنچ گیا۔

(iii) بعدازاں حصول علم کے لئے پشاور کے اطراف میں چلے گئے۔
قریہ موسیٰ زئی میں قیام پذیر رہے۔ جو پشاور سے 4 میل (ساڑھے 6 کلومیٹر) کی مسافت پر ہے۔

3۔ 1880ء بمطابق ۱۲۹۶ھ

عمر: 16 سال

مقام: دھوبیان، علاقہ مردان

مقام: اماذوگڑھی، کوٹ اسماعیل، علاقہ مردان

(i) جس مکان میں سکونت پذیر تھے اُسے اچانک آگ لگ گئی ہر چیز جل کر راکھ ہوگئی لکھتے ہیں۔ اللہ کریم کا کرم ہوا، میں بچ گیا باقی ہر چیز خاکستر ہوگئی۔

(ii) اسی سال ان کے ماموں جناب نادر خان صاحب کا انتقالِ پُر ملال ہوا۔ جن کا وطن پنجاب کے علاقے میں تھا۔ والدہ صاحبہؒ بھائی کی وفات پر تعزیت کے لئے پنجاب چلی گئیں۔ ماموں صاحب کی سکونت 100 میل کے فاصلے پر تھی (یعنی 161 کلومیٹر)۔

(iii) مرضِ کابوس (Nightmare) نے شدت اختیار کر لی۔

(iv) مرگی (Epilepsy) کے دوروں میں اضافہ ہوگیا، بیماری نے نڈھال و بے حال کر دیا۔

(v) بعض قریبی اقرباء کی وفات کی غم ناک خبریں بھی سننے میں آئیں۔

(iv) لکھتے ہیں کہ مسلسل حوادث نے میری پریشانیوں میں اضافہ کر دیا تھا۔

زمانے کی گردش سے چارا نہیں
زمانہ ہمارا تمہارا نہیں
عبرت گورکھپوری

4۔ 1881ء بمطابق ۱۲۹۷ھ

عمر: 17 سال

مقام: اماذوگڑھی، علاقہ مردان

مقام: چغرزئی، علاقہ سوات/بونیر

(i) مولوی امیر اللہ صاحبؒ آف اماذوگڑھی عالم باعمل، جوانِ صالح اور فیاض طبع تھے۔ایک ماہ ان سے پڑھا مگر وہ مرضِ لقوہ میں مبتلا ہوکر وفات پا گئے۔حق ان کی مغفرت کرے۔

(ii) کوہستانی سفر بہت دشوار اور مشکلات سے اَٹا ہوا تھا۔

(iii) اسی کوہستانی سفر میں رات کے وقت، اسی غریب الوطن درماندہ طالب علم کو پہاڑی راہزنوں نے گرفتار کرلیا۔کپڑوں، کتابوں کی گٹھڑی اور تھوڑی بہت نقدی جو پاس تھی وہ سب چھین لی۔البتہ یہ خاص مہربانی کی کہ انہوں نے جان بخشی کردی اور رہائی بھی دے دی۔

(iv) حسبِ معمول رات کے وقت سفر کررہا تھا۔کہ اچانک پہاڑی جانوروں نے حملہ کر دیا۔جان بچانے کے لیے مقدور بھر مقابلہ کرتا رہا اللہ کریم نے کرم کیا اور بچ گیا۔

(v) کوہستانی دشوار گزار علاقے سے بہ حسرت ویاس ناکام واپس ہوئے، دوشب و روز سفر کرتے رہے، بھوک پیاس نے نڈھال کردیا، راستے میں کہیں خربوزے کے باسی چھلکے پڑے ہوئے ملے غنیمت سمجھ کر کھالیے اور قریبی چشمے سے پانی پی لیا۔نتیجتاً خونی پیچش

کی موذی تکلیف میں مبتلا ہوگئے۔

(vi) پاؤں پر جان لیوا دُنبل کا پھوڑا نکل آیا جو بگڑتے بگڑتے ناسور (Cancer) کی شکل اختیار کر گیا اس کی اذیت اور تکلیف نے قریب المرگ کردیا۔اسی حالت میں واپس گھر پہنچے لباس بوسیدہ اور خاک آلودہ تھا۔توانائی مفقود ہوچکی تھی جسمانی طور پر اس قدر لاغر اور کمزور ہوچکے تھے کہ ان کو پہنچاننا بھی مشکل ہورہا تھا۔

شبِ ہجر میں کیا ہجومِ بلا ہے
زباں تھک گئی، مرحبا، کہتے کہتے
مومنؔ

5۔ 1882ء تا ۱۲۹۸ھ

عمر: 18 سال

بہت سے واقعات پیش آئے صرف چند ایک قلم بند کئے ہیں۔

(i) طالب علم ساتھیوں کا مختلف طریقوں سے تکلیف پہنچانا۔ابنائے زمانہ کا بغض و عدوات اور حسد وکینہ کے مظاہرے کرنا۔لکھتے ہیں میں نے سب کو اللہ کے لئے معاف کردیا ہے۔میرے دل میں کسی کے لئے کوئی رنجش نہیں مجھے کسی سے کوئی انتقام نہیں لینا۔(سبحان اللہ)

ہزار مہرِ حوادث نے دیں، تیز آنچیں
اُڑا نہ رنگِ شرافت میرے نگینے سے
دانشؔ

(ii) والدہ صاحبہؒ کا انتقال ہوا۔ کائنات لُٹ گئی۔

؎ اِک تری دید چھین گئی مجھ سے
ورنہ دنیا میں کیا باقی نہیں فیضؔ

(iii) بڑے چچازاد بھائی جناب حبیب اللہ صاحب وفات پا گئے۔

(iv) تذکرہ میں لکھا ہے کہ حضرت والد صاحبؒ نے ضروری تقاضوں کے مطابق عقدِ ثانی کرلیا۔ بارک اللہ فیہ

(v) بونیر وسوات کے ہیبت ناک پہاڑوں میں اکثر تن تنہا حصولِ علم کے لئے گرم سفر رہنا۔

(vi) رات کے پچھلے پر دورانِ سفر، اچانک بھیڑیوں کے غول کا حملہ کر دینا۔ معجزاتی طور پر ان خونی درندوں سے بچ جانا، بے شک یہ رب ذوالمنن کا بندۂ عاجز پر احسانِ عظیم تھا۔

(vii) مرگی کی نامراد بیماری کا شدت اختیار کر جانا۔

(viii) تنگی وافلاس نے بے حال کر دیا۔ لکھتے ہیں اپنی حالتِ زار کو بیان کرنے سے قلم کو قاصر پاتا ہوں۔

؎ پھوٹ پڑتا ہے درد کا چشمہ
یاد جب ایڑیاں رگڑتی ہے

(ix) بام خیل میں حضرت مولانا عبدالحق عرف لالا جی صاحبؒ کی خدمت میں بھی حاضری دیتے رہے ان کی دُعا سے اللہ نے کرم کیا۔ مرگی کا مرض جاتا رہا، انہوں نے کچھ

وظائف بتائے تھے۔ جس کے لیے تنہائی درکار تھی۔ چنانچہ اکبر پورہ میں مزار شریف اخوند پنجو بابا علیہ الرحمۃ کی مسجد کے جنوبی گوشے میں ماہِ سرما میں یہ وظائف پورے کیے۔ لکھتے ہیں، تقریباً گیارہ روز یہاں معتکف رہا۔ اس دوران 16 تولے جَو اور پانی بقدرِ ضرورت استعمال کرتا رہا۔ سخنِ بے فائدہ سے مکمل اجتناب رہا۔ ان کے عطا کردہ وظائف تا حال روزانہ پڑھتا ہوں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

؎ واللہ کہ از دو قدم، راہِ خدا دُور نیست
یک قدم بر نفس، دیگرے در کوئے دوست

6۔ 1883ء بمطابق ۱۲۹۹ھ

عمر: 19 سال

1۔ مرضِ دُنبل کی تکلیف اور مرضِ یرقان کا شکار ہونا۔

2۔ دور دراز کے اسفار کی صعوبتیں اور پریشانیوں کا از حد بڑھ جانا۔

3۔ اسباق میں مسلسل ناغے ہونا۔

4۔ حضرت والد صاحبؒ کی تنگ دستی سے حُزن وملال میں اضافہ ہونا۔

5۔ خانگی معاملات میں برہمی کی وجہ سے یکسوئی کا فقدان اور نا آسودگی کا غلبۂ رہنا۔

6۔ بھائیوں کا طلبِ علم میں گھر سے دُور رہنا اور ان کی خیر وعافیت سے بے خبری بھی عدمِ اطمینان کا باعث تھی۔

7۔ مطالعہ میں دلجمعی اور یکسوئی مفقود ہو چکی تھی۔

8۔ برادرِ محترم محمد اسحاق صاحبؒ کا پدری گھر سے علیٰحدہ ہو جانا۔

9۔ فاقہ کشی اور جسمانی تکالیف کا پہنچنا جیسا اس سفر میں حالِ زار ہوا۔ اب تک نہیں ہوا تھا۔

؎ اشکوں سے ہیں نظیر کی آنکھیں بھری ہوئی
پھرتا ہے کشتیوں میں سمندر لیے ہوئے نظیر کھتولوی

10۔ ان تمام واقعات کو رقم کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی سکت اپنے اندر نہیں پاتا، اس لئے اختصار سے ہی کام لے رہا ہوں۔

فصبرٌ جمیل، واللہ المستعان علیٰ مَا تصفونo

؎ آنکھوں سے نمی، پاؤں سے چھالے نہیں جاتے
اے عشق، تیرے درد سنبھالے نہیں جاتے امؔر

1884ء (۱۳۰۰ھ) تا 1886ء (۱۳۰۳ھ)

عمر: 22 سال

نوٹ: صاحبِ تذکرۂ جمیلؒ رقم طراز ہیں۔ ''ان تین سالوں کے واقعات لکھنے سے قلم قاصر ہے۔ کہ خاکسار پر کیا گزری البتہ اختصار کے ساتھ لکھنے کی کوشش کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ تفصیل لکھنے سے خود کو عاجز پاتا ہوں۔''

1۔ حصولِ علم کے لئے دُشوار گزار کوہستانی راستوں پر پچاس پچاس میل پیدل سفر کرنا پڑے۔ جو آج کے حساب سے 80 کلومیٹر بنتے ہیں۔ بھوک، افلاس، تھکن اور اس پر بے چارگی کا احساس، اللہ اکبر، حصولِ علم کا نشہ پھر بھی غالب رہا۔

2۔ ایبٹ آباد میں ایک سیلابی ریلے میں ڈوب جانا۔ پھر معجزاتی طور پر بچ جانا۔

3۔ مرضِ دُنبل کا شدت اختیار کر جانا۔

4۔ کئی کئی روز کی فاقہ کشی اور بے بسی کی کیفیت۔

5۔ بھوک پیاس سے جسم کا لاغر ہونا، قوتِ مدافعت کا کمزور پڑ جانا، جس کی وجہ سے اسباق میں کئی کئی ناغے ہونا، فطری امر تھا۔

6۔ ان حالات میں علومِ عقلیہ اور فقہی قانونی تعلیم حاصل کرنا۔

7۔ کامیاب ہو کر اپنے گھر واپس آنا، اور پھر مزید حصولِ علم کی غرض سے ہندوستان کے لئے عازمِ سفر ہونے کا خیال پھر اس سفر کے متعلق اندیشہ ہائے دور دراز سے ہمہ وقت بے چین و مضطرب رہنا ہر قسم کی تسلی و ڈھارس سے محروم رہنا۔

8۔ بہر حال ایک دن مصمّم ارادہ کر لیا اور تمام نارسائیوں کو جھٹک کر اللہ کریم پر بھروسا کرنا، اور ہندوستان کے لئے عازمِ سفر ہو جانا۔

؎ ہے جستجو، کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھئے جا کر نظر کہاں حالؔی

تیسرا تعلیمی و عملی دور

1887ء(۱۳۰۴ھ) تا 1900ء(۱۳۱۷ھ)

سفر شرط ہے مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجرِ سایہ دار راہ میں ہے
آتش

''سفرِ ہندوستان کا آغاز بذریعہ ریل گاڑی''

1۔ اس سفر کا آغاز بروز بُدھ 6 شوال ۱۳۰۴ھ کو صبح آٹھ بجے ہوا۔
عیسوی تقویم کے مطابق بُدھ کا دن تھا اور تاریخ 29 جون 1887ء تھی۔

2۔ یہ سفر گاؤں طورو کی جنوبی جانب سے ہوا۔ طورو کی آخر سرحد نالہ بلڑ تک ہے۔ اس نالے کو عبور کر کے سفر جاری رکھا گیا راستے میں چھوٹے بڑے بہت سے دیہات آتے ہیں بہت سا علاقہ اس وقت غیر آباد تھا۔

3۔ مولاناؒ صاحب نے لکھا ہے یہ چار کوس کا فاصلہ ہم نے پیدل طے کیا اور کشتی میں بیٹھ کر دریائے کابل عبور کیا۔ اس وقت دِن کے 10 بج چکے تھے۔ (چار کوس تقریباً 14 کلومیٹر کے برابر ہوتے ہیں) بہر حال ہم اکوڑہ ریلوے اسٹیشن جا پہنچے۔ لاہور کا ٹکٹ خریدا اور پشاور آنے والی ٹرین کا انتظار کرنے لگے۔

4۔ ایک موٹے سے کپڑے کی گٹھڑی تھی جس میں اس مسافر طالب علم کا ضروری سامان تھا۔ اور کل نقدی 25 روپیہ ڈبل شاہی تھی۔ (یہ مغلیہ دور کا سکہ تھا جو انگریزی دور میں

رائج تھا جس کے دونوں طرف کلمہ لکھا ہوتا جو قدرے ابھرا ہوا ہوتا، اسی وجہ سے یہ ڈبل شاہی سکہ مشہور تھا لوگ اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے) ان کے ہمراہ سعید اکبر نامی نوجوان تھا۔ قوم کا رنگریز تھا جو مولاناؒ کا تابع فرمان خادم تھا اس نے تمام راستے میں گٹھڑی اُٹھا رکھی تھی کچھ دیر بعد گاڑی آ گئی پھر دونوں گلے ملے اور الوداع کہہ کر ایک دوسرے سے رخصت ہوئے۔

5۔ گاؤں سے آتی دفعہ والد محترمؒ کو ایک دُکاندار کے پاس بیٹھے محوِ گفتگو دیکھا، خاموشی کے ساتھ دُور سے زیارت کی اور حصول علم کے لئے چل دیئے انہیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری زیارت ہوگی۔

اُتار لو انہیں دل میں پھر نہ دیکھو گے
یہ صورتیں جو ہیں اب جلوہ بار ہم نفس
بشیر احمد بشیر

6۔ پھر گارڈ نے ''سیٹی بجائی، سبز جھنڈی لہرائی، اور گاڑی چل پڑی'' اسٹیشنوں پہ اسٹیشن طے کرتی چلی گئی۔ آٹھ بجے شبِ جمعہ کو ریلوے اسٹیشن لاہور پر جا اُترے ایک قُلی نے شب بسری کے لئے رہنمائی فرمائی۔ اُس نے بتایا کہ اسٹیشن کے قریب ''حضرت شاہ محمد غوث پشاوریؒ'' کی درگاہ ہے۔ اکثر اہل پشاور وہاں قیام کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی مسجد بھی ہے۔

7۔ چنانچہ وہاں گئے رات بسر کی۔ مسجد میں نمازِ فجر ادا کی۔ بعد ازاں درگاہ کے اندر داخل ہوئے۔ رقّت کے ساتھ فاتحہ پڑھی۔ ان کی زندگی میں یہ پہلا طویل سفر تھا۔ ماحول اجنبی، زبان اجنبی، بے سروسامانی کا عالم، نہ کوئی غمگسار نہ کوئی پُرسانِ حال شدت کے

ساتھ جذبات اُمڈ آئے۔بس اللہ کی ذات پر بھروسا تھا جس نے سنبھالا دیا ہوا تھا۔

8۔ جمعہ شریف کا دِن تھا جمعہ کی ادائیگی کے لئے پوچھتے پاچھتے ''مسجد وزیر خان'' پہنچ گئے۔لوگوں کا جمِ غفیر دیکھ کر حیران ہوئے بعد از جمعہ، مسجدِ ہٰذا کے خطیب سے ملاقات کی اور بزبانِ فارسی اپنے آنے کی غرض بتائی اس نے کہا یہاں ایک صاحب ہیں اورینٹل کالج میں عربی کے پروفیسر ہیں۔ثقہ عالم ہیں وہ آپ کی صحیح رہنمائی فرما سکتے ہیں۔محترم خطیب صاحب نے ایک شناسا شخص کو ہمراہ کیا۔[1] اور یہ مفتی عبداللہ ٹونکی کے مکان پر پہنچ گئے۔وہ کُرتے اور پائجامہ میں ملبوس تھے۔رنگ پکا تھا جسم نحیف تھا عمر 40 کے قریب تھی۔جب اپنی آمد کی غرض بتلائی۔تو انہوں نے ہندوستان کی دو شخصیات کا نام لیا۔

(i) دارالعلوم دیوبند کے مولانا سید احمد صاحبؒ اور دوسرے مولانا لطف اللہ علی گڑھی صاحب، دونوں ہی جامع العلوم اور صاحبان کمال ہیں۔بے دھڑک کسی ایک کے پاس چلے جائیں۔البتہ مولانا سید احمدؒ صاحب کے مزاج میں سختی ہے۔اور مولانا لطف اللہ کی طبیعت میں نرمی ہے۔صرف یہی فرق ہے باقی دونوں نورٌ علی نور ہیں۔جس کے پاس بھی جاؤ گے گوہرِ مقصود کو پالو گے۔

9۔ اسی شام گاڑی سے دہلی کے لیے روانہ ہو گئے۔اگلی صبح دیوبند پہنچ گئے۔معلوم ہوا، مولانا سید احمد صاحبؒ امسال حج کو گئے ہیں۔ایک دو روز دیوبند میں رہے کلاسوں

---

[1] مفتی عبداللہ ٹونکی مولانا لطف اللہ علی گڑھی صاحب کے شاگرد تھے۔وہ صاحب علم وفضل ہی نہیں صاحب کمال بھی تھے۔علامہ اقبالؒ نے لاہور کے دورِ طالب علمی میں ان کی علمی صحبتوں سے فیض اُٹھایا ہے۔علامہ صاحب کے دل میں مفتی صاحب کے لئے بے حد احترام تھا جس کا انہوں نے اکثر مواقع پر ذکر بھی کیا ہے۔

میں بیٹھے، مگر اندازِ تدریس اور اساتذہ کی علمیّت نے متأثر نہ کیا۔چنانچہ بذریعہ ریل، علی گڑھ پہنچ گئے۔مولانا لطف اللہؒ صاحب کا درس سُنا گرویدہ ہو گئے۔مولانا سے داخلہ کی درخواست کی مولانا نے علمی استفسارات کئے جواب سن کر مطمئن ہو گئے۔اور اپنے تلامذہ میں بخوشی شامل ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔

توفیقِ عمل مانگ نیاگانِ کہن سے
شاہاں چہ عجب گر بہ نوازند گدا را

تضمینِ اقبالؒ

1887ء(۱۳۰۴ھ) تا 1888ء(۱۳۰۵ھ)

(i) مدرسہ علی گڑھ میں باقاعدہ داخلہ

(ii) حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی سے باقاعدہ تلمذ واستفادہ کا آغاز ہوگیا۔

(iii) اس سال کے اہم اہم واقعات کی مختصر تفصیل ''یہ عمرِ رواں کا تئیسواں (23) سال تھا۔

1۔ تپ لرزہ ایک ہفتہ رہا۔

2۔ ایک ہفتہ آشوبِ چشم شدت اختیار کرگئی، بعدازاں آہستہ آہستہ بفضلہٖ تعالیٰ افاقہ ہوگیا۔

3۔ فاقہ کشی متواتر تین روز تک رہی۔

4۔ اقربا سے جدائی بالخصوص والد محترمؒ سے دُوری، شدتِ غم کی صورت اختیار کرگئی، باطنی کیفیات توڑ پھوڑ کا شکار رہیں یہ کرب والم کا دور تھا۔

5۔ کسی سکونتی جگہ کے لیے دوڑ دھوپ، پریشانی وبدحالی کا سامنا۔

6۔ بعض طالب علم ساتھیوں اور ابنائے زمانہ کی زیادتیاں، اس پر فقط صبر جمیل کرنا۔

7۔ بعض اقربا کی وفات کی غمناک خبریں۔

8۔ مفلسی وبیچارگی کا حد سے بڑھ جانا، یہ حالت ایک ماہ تک رہی۔ پھر اللہ کریم نے آسانیوں کا آغاز کردیا۔

9۔ اس سال اسباق میں بہت ناغے ہوئے اس کی وجہ مولاناؒ صاحب کے ناقابلِ

بیان حالات تھے۔

؎ دل کو اپنے بھی غم تھے دُنیا میں
کچھ بلائیں تھیں آسمانی بھی
فراقؔ

1889ء(۱۳۰۶ھ)

اس سال کے پیش آمدہ واقعات:

1۔ بیمار رہے یعنی بخار اور پیچش کی تکلیف میں مبتلا رہے۔

2۔ وطن سے خطوط کی آمد کا سلسلہ بند ہوا۔ خیال گزرا، فراموش ہو چکا ہوں نفسیاتی تکلیف میں اضافے ہوتے رہے۔

3۔ دو ماہ ہیضہ کے مرض میں مبتلا رہے۔

4۔ حضرت استادِ گرامی کے گھرانے میں اموات ہوئیں، اسباق میں ناغے رہے۔

5۔ بنگالی اور افغان طلبہ میں جھگڑوں نے سر اُٹھالیا جس نے تعلیمی فضا مکدر کر رکھی تھی۔

6۔ گلزار خان تاجر اور شیر محمد افغان طالب علم کے درمیان لڑائی ہوئی۔ نوبت سرپھٹول تک جا پہنچی اور یہ سب طوفانِ بدتمیزی حضرتؒ کی موجودگی میں ہوا ان کی بے لحاظی نے ادب کے تمام دائروں کو پامال کر دیا۔ استادِ محترمؒ کی حساس طبیعت کے لئے یہ امر ناقابلِ برداشت تھا۔ ایک ماہ تک تعلیمی سلسلہ منقطع رہا۔ البتہ خاکسار کو اپنے گھر میں گاہے

گاہے پڑھاتے رہے۔ یہ ناچیز پران کالطفِ خاص تھا۔ **جزاہ اللہ احسن الجزاء۔**

7۔ زمانۂ طالب علمی تھا علی گڑھ میں قیام تھا۔ ماہِ رمضان المبارک تھا شبینہ یعنی رات میں ختم قرآن کا حفاظ صاحبان نے اہتمام کیا تھا۔ حفاظ نے آپس میں صلاح ومشورہ کے بعد قرآن حکیم پہلے پڑھنے کے لئے مولانا صاحب کی باری مقرر کی۔ چنانچہ انہوں نے پہلی رکعت میں 25 پارے تلاوت کئے، دوسری رکعت میں رات کے دو بجے قرآن پاک ختم کر دیا۔ استادِ محترم مولانا لطف اللہ علی گڑھی صاحب نے ''رئیس الحفاظ'' (۱۲۹۱ھ) کا خطاب دیا۔ عجیب حسن اتفاق ہے کہ اسی سے ان کے حفظِ قرآن کی تاریخ نکلتی ہے۔

بیاں خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جواں تھا
آتشؔ

1890ء (۱۳۰۷ھ)

''پیش آمدہ واقعات''

1۔ اس سال درسِ نظامی کی تمام کتب بفضلہ تعالیٰ ختم کرلیں۔

2۔ باوجود جسمانی عوارض کے ''کتاب التصریح'' کی شرح لکھی۔ حضرت مولانا صاحبؒ کوپیش کی۔ نہایت پسند فرمائی اور نگاہِ تحسین سے دیکھا۔

3۔ اب میں فارغ التحصیل ہو چکا تھا۔ خیال تھا کہ والئ کابل عبدالرحمٰن صاحب سے ملاقات کرکے عہدۂ قضا کے فرائض سرانجام دوں، (کابل کے سفیر ہندوستان آئے تھے ان

سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بصد خلوص مشورہ دیا اور اپنی معاونت بھی پیش کی)۔ تاکہ میں معاشی طور پر بے فکر ہو جاؤں اس طرح سے میں وطن سے قریب ہو جاؤں گا مگر حضرت مولاناؒ صاحب نے اجازت نہ دی لہٰذا کسی دوسری ملازمت کے انتظار میں رہا۔

4۔ دارالعلوم کانپور کے صدر مدرس مولوی حسن کانپوری صاحب مدرسہ سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ انہوں نے 25 روپیہ مشاہرہ بطور صدر مدرس تجویز کیا۔ مگر حضرت مولانا صاحبؒ کو ان کی شرائط پسند نہ آئیں۔ انکار کر دیا۔

5۔ رام پور کے مدرسہ سے بطورِ صدر مدرس پیش کش ہوئی۔ مشاہرہ 25 روپیہ تھا۔ مولانا صاحبؒ نے فرمایا، گو تنخواہ کم ہے۔ مگر لوگ قدردان ہیں۔ منظوری ہوگئی۔

6۔ یہ صاحبِ تذکرہ کا آخری تعلیمی سال تھا۔ کہ برادرِ محترم مولانا اسرائیل صاحبؒ نے بذریعہ خط والد محترمؒ کے انتقالِ پُر ملال کی جگر سوز اطلاع دی۔

اُمڈی آتی ہیں آج یوں آنکھیں
جیسے دریا کہیں اُبلتے ہیں
میرؔ

سال 1891ء (۱۳۰۸ھ)

تحصیلِ تکمیلِ علم پر سندِ فراغت عطا ہوئی:

1۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے ایک صبح طلب فرمایا، حکم دیا، جو کتابیں مجھ سے پڑھ چکے ہو ان کی فہرست تیار کرو۔ تب انہوں نے سند اپنے قلم سے لکھ کر دی۔ رسالہ حدیث عطا

کیا، جواُن کے سامنے پاک صاف ہوکر، وضوکر کے قبلہ رُخ بیٹھ کر لفظ بہ لفظ پڑھا۔انہوں نے سماعت کیا اور اجازت دی۔

2۔ پھر انہوں نے پیالے میں آبِ زم زم ڈالا اور سات عدد مدینہ منورہ کی کھجوریں عطا فرمائیں، کھجوریں کھائیں اور آبِ زم زم نوش کیا۔اس کے بعد انہوں نے اپنے سر مُبارک سے اپنی دستار شریف اُتاری۔اور میرے سر پر اپنے دستِ اَقدس سے پیچ در پیچ باندھتے گئے اور درود پاک مسلسل پڑھتے رہے میں قبلہ رُخ کھڑا تھا مجھے بھی حکم تھا مسلسل درود شریف پڑھتے رہو، جب دستارِفضیلت بندھ چکی تو مجھے محسوس ہوا کہ میرا سینہ روشن ہو گیا ہے۔اور جملہ علوم سے پُر ہو گیا ہے۔

ے جس چاند پہ سورج کا دو شالہ نہیں ہوتا
اُس چاند کے دامن میں اُجالا نہیں ہوتا
اکرم سحرؔ فارانی

اللہ اللہ کہاں میں اور کہاں یہ رُتبۂ بلند، اُس وقت عجب کیف وسُرور کا عالم تھا۔ربِّ کریم کا بے انتہا کرم تھا، جس کے بیان سے اس حقیر وفقیر کی زبان عاجز ہے۔

ع چہ نسبت خاک را باعالمِ پاک

وضاحتِ مختصر

(i) اس کے بعد رئیس الحفاظ مولانا عبد الجمیل صاحبؒ مدرسہ علی گڑھ کے علاوہ دارالعلوم رام پُور، ویلور ''مدراس'' مدرسہ لطیفیہ، بعدازاں حیدرآباد شاہی مہمان خانے میں بھی دو ماہ قیام پذیر رہے۔ پھر مدرسہ فتح پوری دہلی آ گئے۔ وہ ان تمام مدارس میں بفضلہٖ تعالیٰ پرنسپل کے عہدے پر فائز رہے۔

(ii) پھر وہ 1900ء (۱۳۱۸ھ) میں استعفیٰ دے کر مستقلاً اپنے وطن طورو واپس آ گئے۔اس وقت ان کی عمر 36 برس تھی۔یعنی یہ ان کے شبابِ کامل کا دور تھا۔اس عرصے میں وہ دینی و دنیاوی کامیابیاں سمیٹ چکے تھے جس کا آج تصور بھی محال ہے۔ بلاشبہ وہ عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ وہ اپنے عظیم اسلاف کا نمونہ تھے،عزم وہمت کا درخشاں پیکر تھے۔اللہ کریم ان کے درجات بلند کرے اور ان کا فیض ملتِ بیضا کے ستارہ جبینوں میں جاری وساری رکھے۔ آمین

(iii) انہوں نے مختلف مضامین کی متفرق نصابی کتب حضرت علامہ لطف اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔انہیں کسی اور جگہ یا کسی دوسرے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے نہیں کرنا پڑے۔ جو کتابیں انہوں نے استادِ گرامیؒ سے پڑھیں ان کی تفصیل اگلے صفحے پر رقم ہے۔ بیشتر نصابی کتب انہیں حفظ تھیں۔ جو انہوں نے نہایت محنت اور مشقت اُٹھا کر یہ یاد کی تھیں۔ان پر اللہ کا کرم تھا یہ کوئی عام سی کتابیں نہیں تھیں۔ بلکہ بڑی اَدق اور فلسفیانہ کتب تھیں۔ جو صرف ازبر ہی نہ تھیں بلکہ ان پر عبور حاصل تھا۔گویا 26 سال کی عمر میں ہی وہ

علومِ عقلیہ ونقلیہ کی چلتی پھرتی لائبریری تھے۔مختلف علوم کے جملہ مسائل ان کو مستحضر تھے اگر وہ ہندوستان کے علمی حلقوں میں محبوبِ نظر تھے تو محبوبِ خلائق بھی تھے۔

جو بھی تیرے فقیر ہوتے ہیں
آدمی بے نظیر ہوتے ہیں

عدمؔ

بے شک پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں پر ہمہ وقت مہربان رہتی ہے۔

مذکورہ علوم کی کتب کی تفصیل حسبِ ذیل ہے جو انہوں نے لفظاً لفظاً اور سبقاً سبقاً استادِ گرامی مولانا لطف اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔

نمبر شمار	نام کتب	نمبر شمار	نام کتب
54	تفسیر البیضاوی	55	تفسیر الجلالین
56	صحیح البخاری	57	صحیح المسلم
58	جامع الترمذی	59	سُنن ابن ماجہ
60	مشکوٰۃ المصابیح	61	شرح نخبۃ الفکر
62	مسلم الثبوت	63	شرح التلخیص المطول
64	حاشیہ السیّد الزاہد علی شرح المواقف	65	الشمس البازغۃ
66	شرح تصورات السُّلم للقاضی محمد مبارک	67	حاشیہ الزاہد علی شرح تہذیب الجلالی

68	لطائف البیان	69	الحماسہ
70	نفحۃ الیمن	71	معیار الاشعار فی العروض والقوافی
72	شرح الموجز للفاضل النفیس	73	شرح تلخیص الجغمینی
74	التصریح شرح تشریح الافلاک	75	اکرثاوذوسیوس (ثاوذوبوس)
76	ست مقالا من تحریر کتاب اقلیدس	77	مناظر اقلیدس
78	الرسالۃ الفارسیہ الاصطرلابیۃ الشہرۃ بست باب	79	خلاصۃ الحساب
80	رسالۃ فی علم المیراث		

جمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ فی مدرسہ علی گڑھ۔حضرت علامہ لطف اللہ صاحب کی خوبصورت مہر کا نقش ہے جس پر ان کا نام لکھا ہوا۔ لطف اللہ محمد

رئیس الحفاظ، افتخارِ ہند، مولانا محمد عبدالجمیل صاحبؒ، نے مدرسہ علی گڑھ سے جن مختلف علوم وفنون کی کتب کی تحصیل کی، اُن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ ان کتابوں کا اندراج، عطا کردہ سند میں کیا گیا ہے۔ جو تذکرۂ جمیل میں موجود ہے۔

مولانا نے اس مدرسہ میں ۱۳۰۴ھ بمطابق 1887ء سے تعلیمی آغاز کیا۔ اس وقت ان کی عمر 23 سال تھی۔ تحصیلِ علم کی تکمیل ۱۳۰۷ھ بمطابق 1890ء میں ہوئی۔ اس وقت وہ 26 برس کے تھے۔ مختلف علوم وفنون کی ان کتابوں کی تعداد ستائیس ہے۔ یہ جملہ کتابیں انہوں نے ایک ہی اُستادِ کامل علامہ لُطف اللہ علی گڑھی صاحبؒ سے پڑھی تھیں۔

علم تفسیر

تفسیر کے لغوی معنی ہیں وضاحت اور تشریح یعنی کسی چیز کو کھول کر سامنے رکھ دیا جائے۔ فسر، یعنی ف، س، ر۔ اس لفظ کا مادہ ہے عربی زبان میں اس کے اصل معنی ہیں۔ کسی چیز کو پردوں سے نکال کر یا کھول کر سامنے رکھ دینا۔ عربی زبان میں ''فسر'' کے یہ معنی بھی آتے ہیں۔ کہ کسی سجے سجائے گھوڑے کو اس کے سارے لوازمات زین وغیرہ، لگام اور دوسری چیزوں سے نکال کر پیش کر دینا، گویا خریدار کے سامنے اصل گھوڑے کو اس طرح رکھ دینا، کہ اس کی اصل صورت، شکل اور رنگ وروپ سب نظر آجائے، گویا قرآنِ مجید کے معانی اور مطالب کو اس طرح کھول کر سامنے رکھ دیا جائے کہ ہر سُننے اور پڑھنے والا اس کا

مفہوم اور مقصد سمجھ لے۔ اس عمل کو تفسیر کہتے ہیں۔ بے شک اس میں ہر دور کے لئے رہنمائی کا سامان موجود ہے۔ اس لئے ہر دور کے اہلِ علم کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کے انسانوں کے لئے اس کتابِ زندہ کی تعبیر وتفسیر کا فرض سرانجام دیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ مجید معانی ومطالب کا اور حقائق ومعارف کا ایسا لامتناہی سمندر ہے۔ ایک طویل حدیث میں، جس کو محدث طبرانی نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس کتاب کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ اور یہ بار بار پڑھنے کے باوجود پُرانی نہیں ہوگی۔ جس کتاب کے معانی ومطالب زندہ اور تروتازہ ہوں وہی کتاب زندہ اور تروتازہ رہتی ہے۔ جو گلستان زندہ وپائندہ ہو، اس گلستان سے روزانہ رنگا رنگ، نئے نئے تروتازہ گلدستے سج سج کر نکلتے ہیں۔ یہ تو وہ کتاب ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گی۔

۱۔ آں کتابِ زندہ، قرآن حکیم
حکمتِ اُو لایزال است و قدیم
اقبالؒ

علاوہ بدرالدین زرکشیؒ کے نزدیک علمِ تفسیر میں حسبِ ذیل چیزوں کا علم بھی شامل ہے۔

i) قرآن مجید کی آیات کے الگ الگ نزول کا تفصیلی علم، کہ کون سی آیت، کب، کیسے اور کہاں نازل ہوئی۔

ii) قرآن مجید کی کون سی آیت یا سورۃ کن حالات اور کس پس منظر میں نازل ہوئی۔

iii) کون سی آیت محکم ہے اور کون سی متشابہ

iv) کون سی آیت خاص ہے اور کون سی عام

v) ایک ہی حکم یا ملتے جلتے احکام پر مشتمل وہ آیات جو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر پڑھی جانی چاہئیں۔ان آیات کو قدیم مفسرین اپنی اصطلاح میں ناسخ منسوخ کہتے ہیں۔ یادرہے کہ متقدمین کی اصطلاح میں ناسخ ومنسوخ کے وہ معنی نہیں ہیں جو ان الفاظ سے فوری طور پر سمجھ میں آتے ہیں۔قدیم مفسرین کی اصطلاح میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت فلاں آیت سے منسوخ ہے تو اس کے معنی صرف یہ ہوتے ہیں کہ اس آیت کو فلاں آیت کی روشنی میں سمجھا جائے۔

vi) قرآنِ مجید کے رسم الخط اور متواتر وغیر متواتر قرأت کا علم۔

vii) قصص القرآن کا علم۔

viii) مکی اور مدنی کا علم

یعنی علم تفسیر وہ علم ہے جس کی مدد سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب کو سمجھا جائے۔اس کے معانی ومطالب کی وضاحت کی جائے۔اس کے احکام اور حکمتوں کا پتا چلایا جائے۔

نوٹ: متقدمین کے نزدیک تاویل وتفسیر دونوں ایک اصطلاح ہیں اور متاخرین کے نزدیک یہ دونوں الگ الگ اصطلاحیں ہیں۔

(بحوالہ: ڈاکٹر محمود احمد غازی، محاضراتِ قرآنی، جنوری 2017ء، الفیصل غزنی سٹریٹ، اُردو بازار لاہور۔ص145,144,139)

انوار التنزیل واسرار التاویل، المشہور البیضاوی شریف:

عبداللہ بن عمر بیضاوی وفات: ۶۸۴ھ بمطابق 1285ء

وہ ''بیضا'' کے مقام پر پیدا ہوئے۔جو شیراز کے مضافات میں واقع ہے۔

تفسیر الجلالین:

(i) جلال الدین محلّی وفات: ۸۶۴ھ بمطابق 1459ء

(ii) جلال الدین سیوطی وفات: ۹۱۱ھ بمطابق 1505ء

علم حدیث

حدیث کے لغوی معنی، بیان، اخبار، بات، واقعہ اور جدید کے ہیں۔''اصطلاحی معنوں میں علمِ حدیث وہ علم ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال طیبہ، افعال مبارکہ اور احوالِ حسنہ معلوم ہوں۔''

علم حدیث کا موضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے اس حیثیت سے کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں۔علم حدیث کی غرض وغایت دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔

(بحوالہ: معین الدین خٹک: معین القاری شرح صحیح البخاری: جلد نمبر 1 ص:71,70 اشاعت جامعہ عربیہ گوجرانوالہ ستمبر 2004ء)

الجامع الصحیح المعروف صحیح البخاری:

امیر المؤمنین فی الحدیث ابی عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بَر دِزْ بہ۔

وفات: ۲۵۶ھ بمطابق 870ء

صحیح المسلم: مسلم بن حجاج: وفات: ۲۶۱ھ بمطابق 874ء

جامع الترمذی: محمد بن عیسیٰ ترمذی وفات: ۲۷۹ھ بمطابق 893ء

سنن ابنِ ماجہ: محمد ابن ماجہؒ وفات: ۲۷۳ھ بمطابق 984ء

مشکوٰۃ المصابیح: ولی الدین عراقیؒ وفات: ۷۳۷ھ بمطابق 1336ء

نوٹ: ابو محمد حسین بن مسعود فراء بغوی وفات ۵۱۶ھ بمطابق 1123ء۔ انہوں نے صحاح ستہ اور دوسری کتب احادیث سے ایک انتخاب ''مصابیح'' کے نام سے تیار کیا۔ اُس میں 4484 احادیث تھیں۔ 2434 بخاری و مسلم سے لی گئی تھیں۔ مصابیح میں بہت سی احادیث ایسی تھیں۔ جن کے رواۃ اور الفاظِ حدیث میں کوئی فرق نہ تھا۔ چنانچہ شیخ ولی الدینؒ نے نئے سرے سے ترتیب وتدوین کی اور ''مشکوٰۃ المصابیح'' نام رکھا۔ اور مشکوٰۃ کو طبقۂ محدثین میں جلد مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اس میں قارئین کو زندگی کے تمام معاملات کے لئے احادیث مل جاتی ہیں۔ (مولانا حنیف گنگوہی)

علمِ اصولِ حدیث

یہ وہ عظیم علم ہے جس کے قواعد وضوابط کی روشنی میں ہر اُس بات کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ جس کی نسبت حضورؐ کی ذاتِ گرامی کی جانب ہوتی ہو، یہ علم، حق اور باطل کو الگ الگ کر دیتا ہے اس علم کا مقصد اور غرض وغایت یہ ہے کہ کوئی غلط بات حضورؐ کی ذاتِ مبارکہ سے منسوب نہ ہو جائے۔ عالی ہمت علمائے محدثین جذبۂ حُبِّ رسولؐ سے سرشار تھے۔ انہوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر خونِ جگر سے اس مقدس و بے مثال فن کی آبیاری کی ہے اور قیامت تک کے لئے احادیثِ صحیحہ کو ہر ضرر ونقصان سے محفوظ کر دیا ہے۔ اس علم کی ابتداء بھی مسلمانوں نے کی اور اس کی انتہا بھی انہی پر ہوتی ہے۔ اقوامِ عالم بلند بانگ دعوؤں کے باوجود اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اور تا قیامت قاصر وخاسر رہے گی۔ آج بھی دنیائے علم ان بلاکشانِ محبت کی جسم وجاں پر گزرنے والی بلاخیز داستانوں کو سُن کر انگشت بدنداں ہے اور کیوں نہ ہو، کہ آپؐ کی ذاتِ اقدس ہی ''و رفعنا لك ذكرك اور انا اعطينٰك الكوثر'' کا سرچشمۂ لطف وکرم ہے۔

شرح نخبۃ الفکر: حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وفات: ۸۵۲ھ بمطابق 1449ء

اصولِ فقہ

مسلم الثبوت: محبّ اللہ بہاریؒ وفات: ۱۱۱۹ھ بمطابق 8-1797ء

حاشیہ السیّد زاہد علی شرحِ مواقف: سید شریف جرجانیؒ وفات: ۸۱۶ھ بمطابق 1414ء

فلسفہ وحکمت (معقولات یعنی علم کلام وفلسفہ)

الشّمس البازغہ: مُلا محمود جونپوریؒ وفات: ۱۰۲۶ھ بمطابق 1652ء

علم منطق

شرح تصورات السُّلم: (شرحِ السُّلم العلوم) قاضی محمد مبارکؒ

وفات: ۱۱۶۲ھ بمطابق 1749ء

شرح تہذیب المنطق مُلا جلال:

جلال الدین محمد بن اسعد الصدیقیؒ (شافعی) وفات: ۹۰۸ھ بمطابق 1502ء

(i) ''دوان قصبہ کے رہنے والے تھے۔اس لئے جلال الدین دوانی کہلاتے تھے۔

(ii) اس پر سیّد محمد میر زاہد ہرویؒ نے حاشیہ لکھا۔وفات: ۱۱۱۱ھ بمطابق 1700ء

عربی زبان وادب

علم معانی وبیان، بلاغت

''ادب سے مراد ایسی تحریریں ہیں، جو انسانی دِل کے لئے کشش اور تحریک کا سبب ہیں اور اپنے اندر ایک روحانی لذت رکھتی ہیں یہ لذت غم واندوہ کی بھی ہوسکتی ہے۔اور

مسرت وشادمانی کی بھی اور اس کی حامل تحریریں شعر پارہ بھی ہوسکتا ہے اور نثر پارہ بھی''

عربی زبان وادب سے یہاں مراد قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے ادب کا مطالعہ شامل ہے۔

(بحوالہ: مرتبہ پروفیسر محمد حیات خان سیال، پروفیسر شمیم حیات سیال، معیاری نقد، ادب مشمولہ مضمون ''ادب اور معاشر'' ڈاکٹر زبیدہ صدیقی، ص490۔نذر سنز اُردو بازار لاہور 1988ء)

شرح التلخیص المطوّل: سیّد شریف علی بن محمد جرجانیؒ وفات: ۸۱۶ھ بمطابق 1414ء

مطوّل علامہ سعد الدین تفتازانی کی کتاب ہے یہ اس کی شرح ہے۔

وفات: ۷۹۲ھ بمطابق 1389ء

مقامات الحریری: قاسم بن علی حریریؒ وفات: ۵۱۶ھ بمطابق 1123ء

دیوانِ حماسہ: ابوتمام حبیب طائی وفات: ۲۳۲ھ بمطابق 846ء

نفحۃ الیمن: احمد عینی شروانیؒ وفات: 1256ھ بمطابق 1840ء

معیار الاشعار فی العروض والقوافی ''ماخوذ از کتاب نقد الشعر''

اس کتاب میں شاعری کے تمام موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ابوالفرج قدامہ بن جعفر بن قدامہ زیاد بغدادیؒ فصاحت و بلاغت میں ضرب المثل تھے۔وہ عباسی خلیفہ مکتفی باللہ کے ہم عصر تھے۔ وفات: ۳۳۷ھ بمطابق 948ء

علم طب

علم طب وہ علم ہے جس میں جسمانی امراض کے علاج کا بیان اور حفظان صحت کی تدابیر مذکور ہوں۔طب کا موضوع انسانی بدن یا ابدانِ ذی روح ہے۔

حفظ صحت کے اصول اور امراض سے شفاء حاصل کرنے کی تدابیر معلوم کرنا باالفاظِ دیگر امراض کی زد سے بچنا۔مسلمان حکماء نے اس علم میں جو شاندار اضافے کئے ہیں۔وہ تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھے جائیں گے۔

شرح الموجز للفاضل نفیس: نفیسی از شیخ نفیس بن عوض کرمائیؒ

وفات: ۸۴۰ھ بمطابق 1437ء

نوٹ: الموجز یعنی صاحب الموجز: علاؤ الدین علی بن ابی حزم القرشی المعروف بابنِ النفیس المصری الشافعیؒ وفات: ۶۸۷ھ بمطابق 1289ء

(i) یہ فنِ طب پر کامل اور جامع ترین کتاب ہے۔

(ii) یہ قوانین کلیہ وقواعد جزئیہ واصول علمیہ اور عملیہ پر حاوی ترین کتاب ہے۔

(iii) علم طب کے جملہ اسرار ورموز پر غالب ہے۔

(iv) یہ فنِ طب کی شاہکار کتاب ہے۔

علم فلکیات

فلکیات (یعنی ستاروں کا قانون، انگریزی "Astronomy")

قدرتی علوم کی ایک ایسی مخصوص شاخ ہے۔جس میں اجرامِ فلکی مثلاً چاند، سیارے، ستارے، سحابیے، کہکشاں وغیرہ اور زمینی کرۂ ہوا کے باہر رونما ہونے والے واقعات کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔اس میں آسمان پر نظر آنے والے اجسام کے آغاز، ارتقا اور طبعی وکیمیائی خصوصیات کا مطالعہ بھی کیا جاتا ہے۔فلکیات کے عالم کو فلکیات دان کہا جاتا ہے جہاں فلکیات محض اجرامِ فلکی اور دیگر آسمانی اجسام پر غور کرتی ہے۔وہاں پوری کائنات کے سالم علم کو ''علم الکائنات'' کہتے ہیں۔

شرح تلخیص الچغمینی:

موسیٰ بن محمد بن قاضی محمود رومیؒ لقب: صلاح الدین المعروف قاضی زادہ

وفات: ۸۱۵ھ بمطابق 13-1412ء

التصریح شرح تشریح الافلاک:

امام الدین الریاضی وفات: ۱۱۴۵ھ بمطابق 33-1732ء

الرسالۃ الفارسیہ الاصطرلابیۃ الشہرۃ بست باب:

نام: محمد کنیت: ابوعبداللہ لقب: نصیرالدین طوسی

پیدائش: طوس میں ہوئی وفات: ۶۷۲ھ بمطابق 1274ء

''علم ریاضی''

علم الحساب،علم المیر اث،علم جیومیٹری (اقلیدس)

علم ریاضی "Mathematics":

ریاضی دراصل اعداد کے استعمال کے ذریعے مقداروں کے خواص اور ان کے درمیان تعلقات کی تحقیق اور مطالعہ کو کہا جاتا ہے اس کے علاوہ اس میں ساختوں، اشکال اور تبدلات سے متعلق بحث بھی کی جاتی ہے۔اس علم کے بارے میں گمان غالب ہے کہ اس کی ابتدا یا ارتقا دراصل گننے، شمار کرنے، پیائش کرنے اور اشیاء کے اشکال وحرکات کا مطالعہ کرنے جیسے بنیادی عوامل کی تجرید اور منطقی استدلال "Logical Reasoning" کے ذریعے ہوا۔ ریاضی دان ان تصورات وتفکرات کی جو اوپر درج ہوئے ہیں چھان بین کرتے ہیں اوران سے متعلق بحث کرتے ہیں ان کا مقصد نئے گمان کردہ خیالات "Conjectures" کے لئے صیغے "Formulaes" اخذ کرنا اور پھر احتیاط سے چُنے گئے مسلمات "Axioms" تعریفوں اورقواعد کی مدد سے ریاضی کے اخذ کردہ صیغوں کودرست ثابت کرنا ہوتا ہے۔ بحوالہ: وکی پیڈیا

علم الحساب

علم ریاضی کی سب سے سادہ ترین شکل ہے اوراس کا مفہوم گننا یا عدد کا ہوتا ہے۔گو کہ غلط ہے پراُردو میں عموماً حساب اور ریاضی کے الفاظ ایک دوسرے کے متبادل کے طور پر بھی

استعمال کئے جاتے ہیں۔حساب میں گننے کے عمل میں روزمرہ کے سادہ سے حساب کتاب سے لے کر سائنسی اور تجارتی شعبہ جات تک کے تمام اقسام کی شمار کاری آجاتی ہے۔

بحوالہ: وکی پیڈیا

خلاصۃ الحساب: بہاؤالدین عاملیؒ وفات: ۱۰۳۱ھ بمطابق 1622ء

علم ہندسہ/علم اُقلیدس (جیومیٹری)

علم ہندسہ کوانگریزی میں جیومیٹری کہا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا شعبۂ ریاضی ہے کہ جس میں فضائی یا فاصلی (Spatial) مقامات کے درمیاں روابط کے بارے میں بحث کی جاتی ہے۔ یا یوں کہہ لیں کہ بنیادی طور پر ہندسہ ایسے علم کو کہتے ہیں۔ کہ جس میں خطوط واشکال (جو ظاہر ہے کہ مرکوز ومحدود نہیں بلکہ فاصلی یا اپنی ایک جگہ رکھنے والی ہوتی ہیں) کی خصوصیات کا مطالعہ کیا جاتا ہے انگریزی میں یہ لفظ دوالفاظ کا مرکب ہے۔

جیو: ارض اور میٹری: پیائش، اوراس حساب سے دیکھا جائے۔تو اس کواُردو میں ارض پیائی کہا جا سکتا ہے۔لیکن ارض پیائی کا استعمال جیومیٹری کے لئے بہت ہی اجنبیت کا احساس پیدا کرتا ہے اس لئے اس کا اُردو نام وہی اختیار کیا جارہا ہے جو عربی اور فارسی میں مستعمل ہے۔

یہاں فضائی یا Spatial سے مراد کسی ایسی چیز، شکل یا عبارت یا وقوعہ یا حادثہ کی ہے جو کسی ایک مقام تک محدود نہ ہو۔ بلکہ اپنے علاقے (جگہ یا فضا) کا مالک ہو۔

اُقلیدس ایک یونانی ریاضی دان کا نام تھا۔ جو مصری شہر اسکندریہ میں تیسری صدی قبل مسیح میں رہا۔ اس کی زندگی کے بارے میں بہت کم تفصیلات ملتی ہیں۔ اس کی کتاب ایلیمنٹس (Elements) ریاضی کی تاریخ کی مشہور ترین اور سب سے زیادہ دیر تک پڑھائی جانے والی نصابی کتاب ہے۔ جو انیسویں اور بیسوی صدی تک پڑھائی جاتی رہی ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پانچ اور کام آج کے دور تک محفوظ رہے ہیں جو ایلیمنٹس (Elements) کی طرح سے ہی لکھے گئے ہیں۔ بحوالہ: وکی پیڈیا

ست مقالا من تحریر کتابِ اقلیدس:

بابت جیومیٹری: نصیرالدین طوسی وفات: ۶۷۲ھ بمطابق 1274ء

مناظر اقلیدس:

امام الدین الریاضی وفات: ۱۴۱۵ھ بمطابق 33-1732

علم المیراث

علم المیراث اس علم کی روشنی میں جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ورثاء میں شریعت کے عطا کردہ قانونی حق کے مطابق تقسیم کی جاتی ہے۔ اسے علم الفرائض بھی کہتے ہیں۔ یہ بھی علم ریاضی کی ایک شاخ ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے ایک دفعہ تلقین کرتے ہوئے فرمایا اے لوگو! اپنی اولادوں کو ادب اور علم الفرائض ضرور سکھاؤ۔

رسالہ فی علم المیراث:

سراج الدین سجاوندیؒ وفات: ساتویں صدی ہجری بمطابق 1301ء

نوٹ: ''اس پر اہلِ علم نے چالیس سے زائد شرحیں لکھی ہیں''

اکرثاوذوسیوس: (عربی میں ترجمہ ہوئی، مترجم کا معلوم نہیں ہوسکا)

نوٹ: اکرثاوذوسیوس کتاب کا نام ہے۔ اس کا مصنف ثاوذوبوس ہے۔ یہ علم ہندسہ کی ایک شاخ ہے۔ جو علم کرۂ مخروط کی بابت ہے۔ یونانیوں کی اس علم میں دو کتابیں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک ثاوذوبوس کی مذکورہ کتاب ہے۔ بعد میں مسلمانوں نے اس علم میں یونانیوں سے زیادہ عمدہ کتابیں لکھیں اور اس علم میں عمدہ اضافے کئے ہیں۔ (مولانا حنیف گنگوہی ص 121)

آمدن اور اخراجات کی دس سالہ تفصیلات

یعنی 1891ء / ۱۳۰۸ھ تا 1900ء / ۱۳۱۷ھ

علم و حکمت زاید از نانِ حلال
عشق و رقّت آید از نانِ حلال
رومیؒ

1۔ رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب بلاشبہ ایک عبقری شخصیت تھے۔ ''تذکرۂ جمیل'' کے مطابق ان کی یہ قلمی سرگذشت ابتدائی 36 سالوں پر محیط ہے۔

2۔ انہوں نے اپنے علمی سفر کا آغاز 14 سال کی عمر میں کیا۔ 10 سال کی عمر میں وہ قرآنِ پاک حفظ کر چکے تھے۔ مجموعی طور پر یہ طالب علمی کا سفر 12 سالوں پر مشتمل ہے۔ بقیہ 10 سال ان کی تدریسی ملازمت کے ہیں جو دنیاوی اور علمی اعتبار سے نہایت شاندار ہیں۔ وہ ہندوستان کے جس بھی دارالعلوم میں گئے لوگوں نے ان کی راہ میں آنکھیں بچھائیں۔ ہر جگہ انہیں ادارے کی سربراہی میسر آئی۔ ہر جگہ ان کی محنت، قابلیت اور حسنِ نیت نے طلبہ اور لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا۔ حسنِ اخلاق اور انکساری ان کی طبیعت کا وصف تھا۔ وہ صاحبِ کمال تھے مگر تکبر نام کی چیز بھی ان کو چھو کر نہ گزری تھی۔

3۔ ان کی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہے جس کا ہر ورق قابلِ رشک ہے صرف 36 برس کی قلیل عمر میں وہ اُن بلندیوں پر نظر آتے ہیں کہ انسان ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔

یونہی آساں نہیں ہے، نُور میں تحلیل ہو جانا
وہ ساتوں رنگ قاصرؔ ایک پیراہن میں رکھتا ہے
غلام احمد قاصرؔ

4۔ علمی اسفار کے دوران انہیں جن تکلیفوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے تصور سے بھی روح کانپ جاتی ہے۔ مگر اس صاحبِ عزم و ہمت بہادر انسان نے بڑے حوصلے اور جواں مردی سے سب کچھ برداشت کیا۔ مگر اپنے مقصد سے ایک لمحے کے لیے بھی پیچھے نہیں ہٹا۔ وہ 14 سال کی عمر میں گھر سے نکلا اور دشتِ غربت میں قدم رکھا۔ 22 سال کے بعد کامل یکسوئی سے اپنے گھر کو پلٹا مگر اس شان سے کہ کامیابیاں اور کامرانیاں اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔

ہر ایک مقام سے آگے گزر گیا مہِ نو
کمال کس کو میّسر ہوا ہے بے تگ و دَو
اقبالؔ

5۔ انہوں نے دس سالوں میں جو کچھ کمایا اور جہاں خرچ کیا، پوری دیانت داری سے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ جو ان کی پاکیزہ اور محتاط زندگی پر شاہد ہے۔

دامانِ توکل کی یہ خوبی ہے کہ اس میں
پیوند تو ہو سکتے ہیں، دھبّے نہیں ہوتے
اقبالؔ عظیم

ان کی کمائی اور اخراجات کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

6۔ 1891ء تا 1900ء مجموعی طور پر یہ دس برس کا عرصہ ہے۔ جو حضرت علامہ صاحبؒ نے ہندوستان کے مختلف شہروں میں بسلسلہ ملازمت گزارا۔

(i) رام پور، مدرسہ معدن العلوم (ii) ویلور ''مدراس'' مدرسہ لطیفیہ

(iii) دہلی، مدرسہ فتح پوری

7۔ ان دس سالوں میں کم وبیش -/6750 روپے کی آمدن ہوئی۔ انہوں نے دو مرحلوں میں زمین خریدی۔

پہلے مرحلے میں جب ان کی عمر 29 سال تھی درج ذیل زمین خریدی۔

(i) شامت پور، 14 جریب (ii) پلٹو، 11 جریب

دوسرا مرحلہ جب ان کی عمر 35/34 برس تھی درج ذیل زمین خریدی۔

(i) غلہ ڈھیر، خاناں، جاتکے، پلٹو

یہ مندرجہ بالا زرعی زمینیں تقریباً -/3000 روپے میں خریدی تھیں۔

8۔ حضرت مولانا نے دو مرحلوں میں مکان کی تعمیر کی اور اُس میں خرید کر توسیع کی۔ ان کا سکونتی مکان تقریباً $11/2$ کنال پر مشتمل تھا۔

مولانا نے پہلی اہلیہ کی وفات جو 1895ء میں ہوئی۔ عقد ثانی 1896ء میں کیا۔ مکان کی خرید، تعمیر اور دو شادیوں پر ہونے والے اخراجات مجموعی طور پر

1800 + 3000 = -/4800 ہوئے۔

9۔ ان کے پاس باقی -/1950 زرِ کاغذی بچ گئے۔ جو انہوں نے دس سالوں میں دیگر ضروری امور پر خرچ کئے۔ جو زندگی بسر کرنے کے لئے ضروری تھے وغیرہ۔

10۔ اس میں ان کی کتب، گھریلو ضرورت کے تحت ایک دو بھینسیں، ہندوستان آنے جانے کا خرچ، ضروری لباس گرما و سرما، گھریلو نان نفقہ، صدقات و خیرات وغیرہ۔

11۔ اس صفحہ پر چارٹ دیا گیا ہے جو ان کے قلمی نسخے ''تذکرۂ جمیل'' سے ماخوذ ہے۔

نمبر شمار	سال	مجموعی آمدن	نام ادارہ	انعام	ماہوار تنخواہ
1	1891ء ۱۳۰۸ھ	300.00	رام پور معدن العلوم		25 روپے
2	1892ء ۱۳۰۹ھ	1400.00	مدرسہ لطیفیہ ویلور	200 شیخ احمد وغیرہ	100 روپے
3	1893ء ۱۳۱۰ھ	1300.00	مدرسہ لطیفیہ ویلور	100	100 روپے
	میزان	-/3000			

نمبر شمار			صرف شدہ رقم
1	شامت پور زمین مع اشجار کے خریدی: عبد الاحد اور ان کے بھائیوں سے	14 جریب	800.00
2	پلٹو: نہری زمین، خواجہ محمد آف صدیق خیل سے خریدی	11 جریب	360.00

3	خرچ ہوئے: شادی خانہ آبادی و سکونتی مکان کی تعمیر نو پر (زیورات، دیگر جامہ ہائے زیب تنی وغیرہ)		500.00
4	علم منقول ومعقول کی کتب خریدی گئیں۔		100.00
5	چاندی کے پازیب		100.00
6	گاؤمیش (بھینسوں کی تعداد نہیں لکھی)		52.00
7	صدقات وخیرات ودیگر امورِ ذاتی		1088
8	نوٹ اس میں ۱۳۱۱ھ یعنی 1894ء بھی شامل ہوا یعنی -/125 روپے ان کی ذاتی ضرورتوں کے لئے باقی بچ گئے۔	میزان	-/3000
9	حضرت مولاناؒ نے اپنی چار سالوں کی کارکردگی لکھ دی تاکہ آئندہ کسی کے کام آئے۔		

1900ء / ۱۳۱۷ھ	1899ء / ۱۳۱۶ھ	1898ء / ۱۳۱۵ھ	1897ء / ۱۳۱۴ھ	1896ء / ۱۳۱۳ھ	1895ء / ۱۳۱۲ھ

''کل چھ سال کا عرصہ ہے''

1۔ 1900ء میں حضرت مولاناؒ صاحب کی مستقلاً وطن واپسی ہوگئی۔

2۔ 1900ء ان کی عمر 36 سال تھی۔ اس عمر میں لوگ عموماً خواب ہی دیکھتے ہیں۔ اور خیالی پلاؤ پکانے میں لگے ہوتے ہیں۔ مگر اس عمر میں وہ سب کچھ کر چکے تھے۔ جس کی لوگ تمنائیں ہی کیا کرتے ہیں۔ اللہ کی ہزاروں رحمتیں ہوں اس مردِ جرّی پر جس نے زندگی کے لمحے لمحے سے رس نچوڑا۔ اور آئندہ نسلوں کے لئے بہترین نمونہ چھوڑا۔

3۔ ان پانچ سالوں میں ماہوار تنخواہ کی تفصیل انہوں نے لکھی ہے۔ 3200

(i) عطیہ ازطرف سفیر کابل، سردار محمد اسماعیل خان صاحب 400

(ii) عطیہ ازطرف حاجی نور احمد صاحب ''تاجر'' 50

(iii) عطیہ ازطرف استنبول، سلطنت عثمانیہ[1] 100

کل میزان -/3750

۱۔ زمین چاہی، غلہ ڈھیر از حیات میر نمبردار 600.00

۲۔ صاحبزادہ عبدالوہاب (غالباً زمین خاناں) 660.00

---

[1] انہوں نے خلافتِ عثمانیہ کے حق میں عربی زبان میں ایک مقالہ لکھا۔ جس پر حکومتِ عثمانیہ نے انہیں انعام سے نوازا تھا۔

۳۔	جاتکے زرعی رقبہ	400.00
۴۔	پلٹو ''پڑھا نہیں گیا کہ کیا خریدا''	70.00
	میزان	1730.00
۵۔	عقد ثانی	400.00
۶۔	مکان میں اضافہ اور تعمیر نو	400.00
	کل میزان	2530.00

نوٹ: 1220 متفرق امور پر خرچ ہوئے۔ اس میں گھریلو، ذاتی اور دیگر امور شامل ہیں۔

اُستاذ العلماء مولانا محمد لطف اللہ صاحبؒ علی گڑھی کے خطوط بنام شاگردِ عزیز رئیس الحفاظ مولانا محمد عبدالجمیل صاحبؒ

1۔ ان خطوط کی مجموعی تعداد 9 عدد ہے جو قلمی نسخہ ''تذکرۂ جمیل'' میں درج ہیں۔ یقیناً اس کے علاوہ بھی کئی ایک خطوط ہونگے۔ جو درج نہیں ہو سکے کیونکہ یہ تذکرہ صرف 1900ء تک محدود ہے۔ جبکہ مولانا لطف اللہ علی گڑھی رحمۃ اللہ علیہ 1916ء تک حیات رہے۔ اگر 3 سالوں میں 9 مراسلے ترسیل ہوئے تو 16 سال میں بے شمار خطوط لکھے گئے ہونگے۔ کون جانے ایسے کتنے ہی نوادرات وعجائبات تاریخ کے اندھے غاروں میں دنیا کی آنکھوں سے اوجھل پڑے ہیں۔ جو اگر منظر عام پر آجاتے تو دنیا نے جن حاصل شدہ امور سے فائدے اُٹھائے ہیں ان میں مزید خوشگوار اضافے ہو جاتے۔

2۔ یہ خطوط 1891ء (۱۳۰۸ھ) تا 1893ء (۱۳۱۰ھ) کے دوران میں لکھے گئے ہیں۔

3۔ اُس وقت مولانا صاحبؒ کی 27 اور 29 برس کے درمیان تھی۔

4۔ استادِ گرامیؒ نے اپنے اس شاگردِ عزیز کو جن محترم القابات سے نوازا ہے۔ یہ خطابات والقابات اس نوجوان شاگرد کی جلالتِ علمی کے لئے سند افتخار کا درجہ رکھتے ہیں۔

5۔ بعد ازاں مدرسہ لطیفیہ کی سربراہی کے لئے ان کو منتخب کرنا اور مولانا محی الدین حسین صاحب کا، ایک مکتوب میں مولانا لطف اللہ علی گڑھی صاحبؒ کو ان کے بارے تحسینی اسلوب میں لکھنا، دراصل ان کی علمی وجاہت وثقاہت کا برملا اعتراف کرنا ہے۔

6۔ رام پور کے رئیس قاضی سراج الدین صاحب اور معدن العلوم مدرسہ کے فاضل علماء کا خراج تحسین پیش کرنا، خوب ہی نہیں خوب ترین ہے۔

ان 9 خطوط میں استاد گرامیؒ کی جانب سے شاگردِ عزیز رئیس الحفاظ مولانا عبد الجمیلؒ صاحب کو 15 عظیم الشان اور قابلِ فخر القابات سے نوازا گیا ہے۔

اور دوسرے ہندوستان کے نامی گرامی علماء نے انہیں مزید سات القابات سے نوازا ہے جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

---

(۱) فاضل علاّمہ
(۲) التحریر الفہامہ
(۳) عین الاعیان
(۴) وحید العصر والزمان
(۵) براوجِ فضل وکمال
(۶) جامع فضائل علمیہ
(۷) ماہر دقائقِ حکمیہ
(۸) عمدہ اذکیاءِ زمان
(۹) فخر امثال واقران
(۱۰) جامع فضائلِ علمیہ وعملیہ
(۱۱) ماہرِ دقائقِ دینیہ وفلسفیہ
(۱۲) محمود الالسنۃ والافواہ
(۱۳) محمود الاقران والاشباہ
(۱۴) عمدہ علماءِ زمان

(۱۵) چمنستانِ فضل وکمال
(۱۶) وہ عالم وفاضل ہیں
(۱۷) صاحبِ حسنِ نیت ہیں
(۱۸) سراپا انکسار ہیں
(۱۹) وحید العصر عالم ہیں
(۲۰) ان کا وجود ہمارے لئے خصوصاً اور تمام ہند کے لئے عموماً باعثِ افتخار ہے۔
(۲۱) مولانا لطف اللہ صاحبؒ کے تین نامور شاگردوں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔
(۲۲) ''مولوی سید محمد علی صاحب، مولوی عبد الغنی خان صاحب، مولوی احمد حسن صاحب اور مولوی عبد الجمیل صاحب افغانی، (صدر مدرس ویلور، مدراس، سید ظہور اسلام وغیرہ ہم تھے) آج اُن کی نظیر سارے ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔

(صفحہ 37 سوانح مولانا لطف اللہ از نواب محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی، تاریخ اشاعت 1980ء، تکمیل خواجہ رضی حیدر مکتبہ قادیہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور)۔

نوٹ: اس وقت مولانا عبد الجمیل صاحبؒ کی عمر فقط 29 برس تھی۔ اللہ اکبر

القابات اور اُن کے مآخذ

یہ القابات وخطابات ''قلمی نسخہ'' سے لئے گئے ہیں۔ یہ اُن خطوط سے لئے گئے ہیں جوان کے اَستادِ گرامی علامہ لطف اللہ علی گڑھی صاحبؒ نے وقتاً فوقتاً لکھے۔ تذکرہ میں درج شدہ خطوط کی تعداد 9 ہے۔ ان میں سے ایک مکتوب عربی زبان میں ہے۔

1۔ چار خطوط اُردو تحریر میں ہیں باقی چار مراسلوں کا اسلوب فارسی ہے۔ میں نے خط کا حوالہ اور تذکرۂ جمیل، قلمی نسخے کا صفحہ نمبر بھی ساتھ ہی درج کر دیا ہے۔ تاکہ تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

2۔ اس کے علاوہ انہیں مختلف علماء کرام نے بھی اچھے القابات سے یاد کیا ہے۔ وہ بھی حوالوں کے ساتھ درج کر دیئے گئے ہیں۔

خط نمبر 1:

یہ 1891ء یعنی ۱۳۰۸ھ کا مکتوب ہے۔

جو علامہ لطف اللہ صاحبؒ نے انہیں ماہِ رمضان میں محلّہ صدیق خیل طورو کے پتے پر ارسال کیا ہے۔ اس وقت رئیس الحفاظ مولانا محمد عبدالجمیلؒ صاحب کی عمر 27 برس تھی۔

اُستادِ گرامی کے عطا کردہ القابات ذرا ملاحظہ ہوں۔

یہ مکتوب عربی میں لکھا گیا ہے۔

فاضل علامہ، التحریر الفہامہ، عین الاعیان، وحید العصر والزمان، اَخی الاعزا مولوی حافظ۔۔۔ (صفحہ نمبر 113)

خط نمبر 2:

یہ مکتوب فارسی زبان میں ہے۔

بتاریخ 17 رجب ۱۳۰۸ھ یعنی 26 فروری 1891ء کو لکھا گیا ہے۔

بنام۔۔۔۔۔ پرنسپل معدن العلوم، رام پور،

برأوجِ فضل وکمال، سلمکم اللہ المتعال (صفحہ نمبر 115)

خط نمبر 3:

یہ مکتوب بھی فارسی میں رقم کیا گیا ہے۔

بتاریخ یکم رجب ۱۳۱۰ھ بمطابق 19 جنوری 1893ء

بنام۔۔۔۔ پرنسپل مدرسہ لطیفیہ ویلور (مدراس)

قابل فخر شاگرد کے لئے کیسے کیسے تحسینی القابات کا چناؤ کیا گیا ہے۔

ذرا دیکھئے۔

جامع فضائل علمیہ وعملیہ، ماہر دقائقِ دینیہ وفلسفیہ (صفحہ نمبر 117)

خط نمبر 4:

یہ مکتوب بھی فارسی میں ہے۔

بتاریخ 15 جمادی الآخر ۱۳۰۸ھ بمطابق 26 جنوری 1891ء

بنام۔۔۔۔۔ پرنسپل معدن العلوم، رام پور

اس مکتوب میں تو استادِ محترم نے اپنے قابل فخر شاگرد پر یہ کہہ کر محبت کی بارش کر دی ہے۔

عمدہ اذکیاءِ زمان

فخرِ امثال واقران

جامع فضائلِ علمیہ وعملیہ

ماہرِ دقائقِ دینیہ وفلسفیہ (صفحہ نمبر 119)

خط نمبر 5:

یہ مراسلہ اُردو زبان میں ہے۔

بتاریخ 13 شوال، ۱۳۰۸ھ بمطابق 23 اپریل 1891ء

بنام۔۔۔۔۔ پرنسپل معدن العلوم، رام پور

فخرِ امثال واقران (صفحہ نمبر 124)

خط نمبر 6:

یہ خط بھی بزبانِ اُردو ہے۔

بنام۔۔۔۔ پرنسپل مدرسہ لطیفیہ، ویلور (مدراس)

بتاریخ 10 ربیع الآخر ۱۳۰۹ھ بمطابق یکم نومبر 1892ء

عمدہ علماءِ زمان، فخرِ امثال واقران (صفحہ نمبر 121)

خط نمبر 7:

یہ مراسلہ بھی اُردو عبارت میں ہے۔

10 رجب 4 شنبہ ۱۳۰۹ھ بمطابق 9 فروری 1892ء

بنام پرنسپل۔۔۔۔ مدرسہ لطیفیہ ویلور، (مدراس)

چمنستانِ فضل وکمال (صفحہ نمبر 125)

خط نمبر 8:

یہ مکتوب بھی اُردو میں رقم کیا گیا ہے۔

بتاریخ 7 محرم ۱۳۱۰ھ بمطابق یکم اگست 1892ء

نوٹ: غلطی سے ۱۳۰۹ھ لکھا گیا ہے۔ صحیح تاریخ ۷ محرم کو ۱۳۱۰ ہے کیونکہ خط نمبر 7 رجب ۱۳۰۹ھ کا ہے۔

بنام۔۔۔۔ پرنسپل مدرسہ لطیفیہ، ویلور (مدراس)

جامع فضائلِ علمیہ وعملیہ (صفحہ نمبر 126)

خط نمبر 9:

یہ رقیمہ بزبانِ فارسی ہے۔

بتاریخ 27 ربیع الاول شریف ۱۳۱۰ء بمطابق 19 اگست 1892ء

بنام۔۔۔۔ پرنسپل مدرسہ لطیفیہ، ویلور

محمود الالسنۃ والافواہ، محسود الاقران والاشباہ (صفحہ نمبر 120)

وائس پرنسپل مدرسہ لطیفیہ، ویلور

کا خراجِ تحسین، مکتوب بنام علامہ لطف اللہ علی گڑھی صاحبؒ

وائس پرنسپل، مدرسہ لطیفیہ، ویلور

جناب مولانا محی الدین حسین صاحب نے اُستاذ العلماء علامہ لطف اللہ صاحبؒ کو ایک خفیہ مراسلہ لکھا اور مدرسہ ہٰذا میں رئیس الحفاظ مولانا محمد عبدالجمیلؒ صاحب کی تقرری کے لئے استاد گرامی مولانا لطف اللہ صاحبؒ سے اجازت طلب کی اور ان الفاظ میں مولانا عبدالجمیلؒ صاحب کا تذکرہ کیا۔

''وہ عالم وفاضل ہیں، سراپا انکسار اور صاحبِ حُسنِ نیت ہیں'' (صفحہ نمبر 130)

نوٹ: مولانا محی الدین صاحب کو ویلور کے مدرسہ لطیفیہ کے لئے ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو علومِ عقلیہ اور نقلیہ پر ماہرانہ دسترس رکھتا ہو۔ وہ خود بھی ایک جیّد عالم تھے چنانچہ اس غرض سے طالب علم کا روپ دھار کر ہندوستان کی بڑی بڑی جامعات میں گئے سب کی علمی انداز میں چھان پھٹک کی۔ مگر ان کو کہیں بھی تسلی نہ ہوئی۔ بالآخر اسی تلاش میں وہ تھک ہار کر معدن العلوم رام پور آئے اور طالب علم بن کر مولانا عبدالجمیلؒ صاحب سے علمی استفسارات کرتے رہے انہوں نے کچھ دن وہاں قیام کیا۔ پھر اچانک غائب ہو گئے۔ وہ مولانا کے علم وفضل، ذہانت وفطانت اور فصاحت وبلاغت سے نہ صرف نہال

ہوئے بلکہ بہت متاثر ہوئے۔ انہیں کسی ایسے ہی صدف ریزے کی تلاش تھی۔ جو انہوں نے پالیا تھا۔ انہوں نے ویلور پہنچ کر استادِ گرامی مولانا لطف اللہ سے اجازت طلبی کا خط لکھا۔

''مولوی عبدالجمیلؒ صاحب ہمارے مدرسہ کے پرنسپل ہونگے۔ آپ ہماری سفارش کردیں کہ مولانا یہاں آنے پر راضی ہو جائیں''۔ یہ مذکورہ بالا جملے اسی خط سے لئے گئے ہیں۔ (راقم)

مدرسہ معدن العلوم، رام پور کی سالانہ تحریری رپورٹ بابت پرنسپل مولانا محمد عبدالجمیلؒ صاحب

فاضل اجل مولانا احسن نانوتوی صاحبؒ نے مدرسے کے طلباء کا مختلف مضامین میں تحریری وزبانی امتحان لیا۔ بعدازاں انہوں نے یہ تحریری رپورٹ مدرسے کو ارسال کی۔

درج ذیل اقتباس اسی تحریر سے لیا گیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ

''مولانا حافظ عبدالجمیل صاحب، اَلحق ایسے فاضلِ زمانہ اور وحید العصر عالم کا وجود ہمارے لئے خصوصاً اور تمام ہند کے لئے عموماً باعثِ افتخار ہے۔ خداوندِ عالم بطفیل سیّد بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مولانا کے فیض کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھے۔ اور ان کے خیالات اور علمی نکات میں برکت فرمائے۔'' (صفحہ نمبر 133)

نوٹ: اس رپورٹ پر اس وقت کے ہندوستان کے سات جلیل القدر علماء کے دستخط مع مہر ثبت ہیں اور حسبِ ذیل تاریخ بھی درج ہے۔ ۱۷ محترم ۱۳۰۹ھ بمطابق 1892ء

''یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اُس وقت مولانا حافظ عبدالجمیل صاحبؒ کی کل عمر 28 سال تھی''۔

رئیس الحفاظ مولانا محمد عبدالجمیل صاحبؒ اہلِ علم کی نظر میں ۔۔۔

(i) ریاست حیدر آباد میں شائستہ استقبال،

(ii) ریاست کے شاہی مہمان خانے میں کچھ عرصہ قیام پذیر رہے۔ جب اللہ چاہے تو اپنے فقیروں کی عزت بادشاہوں سے کراتا ہے۔ ''تلك الایام ندو الھا بین الناس''. علم اللہ کا نور ہے اللہ جسے عطا کردے پھر اس نور پر دنیا پروانوں کی مانند اُمڈ آتی ہے۔ کیا شاہ کیا گدا، علم کا نور سب پر حاوی ہے۔

(i) اُستاد العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھی صاحب، 28 فروری 1895ء کو حیدر آباد کے لئے عازمِ سفر ہوئے۔ ان کا عہدہ ''صدارت المدرسین'' تھا۔ مشاہرہ 700 روپیہ ماہوار مقرر رہا۔ 12 مارچ 1895ء کو مفتی عدالت کے عہدے پر فائز ہوئے مشاہرہ ایک ہزار روپیہ مقرر رہا۔

اُس وقت تین نامور شاگرد، مولوی سیّد محمد علی صاحب، مولوی عبدالغنی خاں صاحب اور مولوی عبدالجمیل صاحب افغانی ان کے ہمراہ تھے۔ حیدر آباد پہنچنے پر شائستہ استقبال ہوا۔ مہمان خانۂ ریاست میں قیام کیا۔

؎ قبائے علم و ہنر لطفِ خاص ہے ورنہ
تیری نگاہ میں تھی میری ناخوش اندامی
اقبالؔ

نوٹ: اس وقت مولانا حافظ عبدالجمیل صاحبؒ کی عمر 31 برس تھی۔ (صفحہ نمبر 27)

(ii) ''ایک تقریب میں شام کے وقت میں نے دیکھا کہ متعدد چار پائیوں پر تلامذہ بیٹھے ہیں اُن میں مولوی سیّد محمد علی صاحب، مولوی عبدالغنی خاں صاحب، مولوی احمد حسن صاحب، مولوی عبدالجمیل صاحب افغانی (صدر مدرس ویلور، مدراس) مولوی سید ظہور الاسلام وغیرہ تھے آج ان کی نظیر سارے ہندوستان میں مشکل سے ملے گی۔ (صفحہ 37)

نوٹ: اس وقت مولانا حافظ عبدالجمیل صاحب کی عمر بمشکل 29 برس تھی۔

بحوالہ: اُستاذ العلماء، مولانا مفتی محمد لطف اللہ علی گڑھی قدس سرہ،

تالیف: نواب محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی

تکمیل: خواجہ رضی حیدر، تاریخ اشاعت 1980ء

مکتبۂ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور۔

صفحہ نمبر 27/37

توصیفی سند

(iii) نوٹ: ''26 شعبان ۱۳۰۸ھ بمطابق 6 اپریل 1891ء''

معدن العلوم، رام پور، ضلع سہارن پور، (ہندوستان) یہ یادگاری اور اعزازی سند، رئیسِ رام پور، مفتی قاضی سراج الحق صاحب کی طرف سے رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کو اس وقت پیش کی گئی۔ جب وہ مدراس کے شہر ویلور، مدرسہ لطیفیہ میں بطورِ پرنسپل کے جارہے تھے۔ اس وقت ان کی عمر صرف 28 برس تھی۔ 28 برس کے اس نوجوان کی جلالتِ علمی، علم وعمل کے کہساروں کو حرفِ تحسین پر مجبور کررہی تھی۔ اس توصیفی سند پر 8 جلیل القدر علماءِ کرام کے دستخط مع مہر ثبت ہیں۔ عزم وہمت کے اس پیکر نے حصولِ علم کی راہ میں مصائب وآلام کے پہاڑ برداشت کئے اور اللہ کے بھروسے پر حصولِ علم کا سفر جاری رکھا۔ یہاں تک کہ وہ مشکلات وخطرات کا سفر طے کرکے تکمیلِ علم کی منزل پر پہنچ گیا۔ پھر اللہ کریم نے اس بے سہارا و بے چارہ غریب الوطن مسافر پر اپنی رحمتوں اور برکتوں کے باب کھول دیئے۔ کل تک جسے دُنیا جانتی تک نہ تھی۔ آج اُس پر تحسین وستائش کے پھول برسارہی تھی۔ اور اس کی قدردانی کو اپنے لئے باعثِ فخر تصور کررہی تھی۔

آپ کی نظرِ کرم کا یہ بھی اِک انداز ہے
اِک زمانہ میری خاطر گوش بر آواز ہے

زاہد حسین زاہد

بے شک یہ اللہ کی شان ہے اور اُس کی ذات سب طرح کی تعریفوں کے لائق ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہٖ الکریم

امابعد، ہم ساکنانِ قصبہ رام پور، ضلع سہارن پور، جناب مولانا مولوی محمد عبدالجمیل صاحب، مُدرسِ اوّل، مدرسہ معدن العلوم کے، کہ جو درحقیقت تمام علومِ عقلیہ ونقلیہ میں بہرۂ وافر اور مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔ تہہ دِل سے مشکور ہیں۔

آپ کی خداداد قابلیت اور علمی لیاقت فی نفسہٖ اس قابل ہے کہ اگر آپ کو اپنے اقران پر من کل الوجوہ ترجیح دی جائے۔ تو حق بجانب ہے۔ آپ کے زمانے میں مدرسہ معدن العلوم نے جو ترقی کی ہے۔ اس کا حال، کیفیت، سالِ گزشتہ ۱۳۰۷ھ (1890ء) کو مدِنظر رکھ کر ہر ذی عقل معلوم کرسکتا ہے۔

یعنی اس وقت مدرسہ کی حالت بمقابلہ سنینِ ماضیہ، باعتبار تعداد طلبہ وترویجِ علوم و تعلیم، کتبِ فنون المضاعف سے زیادہ ہے۔

آپ کے طلبہ کے فہم وذکا اور مولانا کے علم وفضل کا اندازہ، اس کیفیت امتحان سالانہ سے ہوسکتا ہے۔ کہ جو فاضلِ اجل مولانا مولوی محمد احسن صاحب نانوتوی سلمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمائی ہے۔

''الحق ایسے فاضل زمانہ اور وحید العصر عالم کا وجود ہمارے لئے خصوصاً اور تمام ہند کے لئے عموماً باعثِ افتخار ہے۔ خداوند عالم بطفیل سیّد نبی آدم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مولانا کے فیض کو ہمیشہ کے لئے جاری رکھے اور ان کے خیالات اور علمی نکات میں برکت عطا فرمائے۔ **و آخر دعوانا ان الحمد للہِ رب العٰلمین، و صلی اللہ تعالیٰ.**

العبدالضعیف:

1۔ محمد انعام الحق ابن قاضی سراج الحق — دستخط مع مہر مدرسہ

2۔ ناظم مہتمم مدرسہ معدن العلوم، رام پور — دستخط مع مہر مدرسہ

3۔ محمد سراج الحق، 26 شعبان ۱۳۰۸ھ — دستخط مع مہر ذاتی

4۔ سعید احمد عفی عنہ — دستخط مع مہر

5۔ محمد عمر عفی عنہ — دستخط مع مہر

6۔ محمد عمر احمد عفی عنہ — دستخط مع مہر

7۔ محمد مصلح ناصر عفی عنہ — دستخط ومہر

8۔ تجمل حسین، 26 شعبان ۱۳۰۸ھ — دستخط ومہر

رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کی تدریسی

ملازمت کے سلسلوں کا مختصر احوال

۱؎ وہی جہاں ہے ترا جس کو تُو کرے پیدا!
یہ سنگ و خشت نہیں، جو تری نگاہ میں ہے
اقبالؔ

1۔ مدرسہ علی گڑھ میں بحیثیت عارضی مدرس، ایک سال تک تدریسی فریضہ سرانجام دیا۔ ۱۳۰۷ھ / 1890ء تا ۱۳۰۸ھ / 1891ء اس وقت ان کی عمر 26 برس تھی۔
2۔ عہدہ: پرنسپل، معدن العلوم، رام پور ملازمت کا دورانیہ: جمادی الاول ۱۳۰۸ھ / 1891ء تا ۱۳۰۹ھ / 1892ء تقریباً ایک سال یا کچھ زائد۔
3۔ عہدہ: پرنسپل، مدرسہ لطیفیہ ویلور، مدراس ۱۳۰۹ھ / 1892ء تا ۱۳۱۰ھ / 1893ء قیام: دوسال
4۔ ویلور کی آب وہوا راس نہ آئی۔ عوارضِ جسمانی کے باعث زیادہ قیام نہ کر سکے۔ ۱۳۱۱ھ / 1894ء اس سال کا زائدہ حصہ اپنے وطن طورو میں گزارا۔ (ایک سال)

5۔ استادِ گرامیؒ سے اجازت طلب کر کے دہلی آ گئے۔

عہدہ: پرنسپل، مدرسہ فتح پوری، دہلی

مدتِ ملازمت: ۱۳۱۲ھ / 1895ء تا ۱۳۱۷ھ / 1900ء قیام: 6 سال

6۔ (i) ہندوستان میں کم وبیش دس برس کی ملازمت کی وہ جہاں بھی گئے بطورِ سربراہ ادارہ ہی تعینات رہے۔

(ii) ۱۳۱۷ھ / 1900ء میں مستقل طور پر وطن واپس آ گئے۔ اب مسلسل اسفار میں رہنا، انہیں اپنی جسمانی کیفیت کے پیشِ نظر گوارا نہ تھا۔ جب اپنے وطن لوٹ کر آئے تو اس وقت ان کی عمر صرف 36 سال تھی۔ اللہ کریم نے ان کے دامن کو دین و دنیا کی کامیابیوں سے بھر دیا تھا۔ اللہ اکبر کبیراً وللہِ الحمدُ کثیراً

مولانا محمد اسرائیل شہیدؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ کی ایک تاریخی و یادگاری ملاقات کا احوال،

اس پر لطف ملاقات میں بطورِ علمی حوالہ، رئیس الحفاظ مولانا محمد عبدالجمیل صاحبؒ کا تذکرہ بھی ہوا، جو دلچسپ بھی ہے اور لائقِ تحسین بھی۔۔۔۔

حوالہ جات مع وضاحت:

(i) اس تاریخی اہمیت کی حامل مُلاقات کے چشم دید راوی، سابق چیف جسٹس (افغانستان) سید محمد امین خوگیانی صاحبؒ ہیں۔

(ii) انہوں نے اس واقعے کو خزینۃ الادب، حافظ الاشعار جناب ظہور الحق صاحبؒ کو خود سُنایا۔

(iii) پھر جناب ظہور الحق صاحبؒ نے برسبیل تذکرہ کئی بار، متفرق نشستوں میں، جناب جسٹس صاحبؒ کے حوالے سے اس پُر لطف علمی ملاقات کا احوال بیان کیا ہے۔

(iv) راقم الحروف کو تین چار مرتبہ اس یادگاری ملاقات کا ذکر براہِ راست اُن سے سُننے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

(v) اب اُن نشستوں کے بیشتر یادگارِ زمانہ کردار، شہرِ خموشاں کو آباد کر چکے ہیں۔ حق اُن پاکبازوں کی مغفرت کرے۔ آمین

(vi) چل چلاؤ کا دور ہے۔ ہر وقت ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے۔ جناب شاہد رشید شاہدؔ صاحب نے واقعہ سُن کر فوری توجہ دلائی کہ اس نادر واقعہ کو سُپردِ قلم کر دینا چاہئے تا کہ یہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو جائے میں نے شکریے کے ساتھ اُن کی قیمتی رائے سے اتفاق کیا۔

(vii) بس اسی حفاظت کے جذبے سے سرشار ہو کر، واقعے کی تصویر ذہن کے پردے سے اُتار کر بذریعہ قلم کاغذ پر سجا دی ہے۔

(viii) تا کہ ''تذکرۂ جمیل'' کے باب میں کسی بھی محقق کے لئے استفادے کا باعث ہو سکے۔

(ix) مجھے یقین کامل ہے کہ جناب اسرار الرحمٰن اسرارؔ طوروی صاحب، جناب سیّد نور الحق باچا صاحب اور مشتاق الرحمٰن شفقؔ صاحب، مذکورہ تحریر کردہ روایت کی تصدیق فرمائیں گے۔ جو میں نے خزینۃ الادب جناب ظہور الحق صاحبؒ سے کئی مرتبہ سُن رکھی ہے۔

جناب سابق چیف جسٹس (افغانستان) سید محمد امین خوگیانی صاحبؒ بیان کرتے ہیں۔ ''ان دنوں میری عمر بمشکل چودہ، پندرہ برس کے قریب ہوگی۔ ایک دِن قبلہ والد محترم مولانا محمد اسرائیل صاحبؒ نے مجھے حکم دیا کہ میرے ساتھ آؤ، پشاور چلتے ہیں۔ سُنا ہے، آج کل وہاں ہندوستان کے مشہور عالم مولانا شبلی نعمانیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں۔ اُن سے ملاقات ہو جائے گی۔ چنانچہ ہم طورو سے پشاور کے قصہ خوانی بازار پہنچ گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ مولانا شبلیؒ قصہ خوانی کی ''سرائے'' کے بالائی کمرے میں ٹھہرے

ہوئے ہیں۔

جب ہم السلام علیکم کہہ کر، ان کے کمرے میں داخل ہوئے، تو اس وقت وہ چارپائی پر لیٹے آرام فرما رہے تھے۔ میرے والد صاحبؒ کے چہرے پر ان کی نگاہ پڑی تو انہیں علم و فضل کے آثار محسوس ہوئے۔ میرے خیال میں یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ استقبال کے لئے، ادباً فوری طور پر اُٹھنے کی کوشش کی۔ جس میں انہیں خاصی دشواری پیش آ رہی تھی۔ کیونکہ اُن کی ایک ٹانگ کمزور تھی۔ یہ حادثاتی یا پیدائشی طور پر تھی۔ مجھے اس بارے میں کچھ پتا نہیں بہرحال انہیں اُٹھنے میں تکلیف ہو رہی تھی۔

قبلہ والد صاحبؒ نے انہیں اُٹھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا! آپ کی طرف سے عزت افزائی اور قدر دانی کا از حد شکریہ آپ کا خیر سگالی جذبہ ہمیں قبول ہے۔ مزید اُٹھنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

خیر و عافیت اور تعارف کے بعد۔۔۔ مولانا شبلیؒ گویا ہوئے، کہ افسوس! مجھے پشتو نہیں آتی۔ اور آپ اُردو میں اپنا مافی الضمیر بیان کرنے میں دقت محسوس کر رہے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ کسی ترجمان کی خدمات سے استفادہ کر لیا جائے۔ جو ہمارے مابین رابطے کا بہترین ذریعہ ہوگا۔

قبلہ والد صاحبؒ نے فرمایا! ''ترجمان تو ہمارے لفظوں کا ترجمہ ہی کر سکتا ہے جذبوں کا ترجمہ ہرگز نہیں کر سکتا''۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ مولانا شبلیؒ اس جملے پر چونک اُٹھے اور فوراً اسی وقت اپنی ڈائری میں یہ جملہ نوٹ کر لیا۔

قبلہ والد صاحبؒ نے بات کو مزید جاری رکھتے ہوئے فرمایا! ہم دونوں کی علمی زبان فارسی ہے۔ اگر ہم علمی زبان میں گفتگو کریں گے، تو دونوں کے لئے آسانی رہے گی۔ اور پھر ترجمان کی محتاجی سے بھی بے نیازی ہو جائے گی۔ اس پر مولانا شبلیؒ بہت خوش ہوئے۔ فرمایا! حیرت ہے اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں گیا!!

پھر دونوں صاحبان بڑی دیر تک فارسی میں گفتگو کرتے رہے۔ میرا لڑکپن تھا مجھے ان بزرگوں کی باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نہ ہی میں نے سُننے کی کوئی شعوری کوشش کی۔ مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا باتیں کیں اور کن کن موضوعات کو زیر بحث لائے۔ البتہ آخری دو چار باتیں قبلہ والد صاحبؒ اور مولانا شبلیؒ کی ذہن میں محفوظ رہ گئی ہیں۔

شبلیؒ صاحب نے قبلہ والد صاحبؒ کو مخاطب کر کے کہا! اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو میں صوبہ سرحد (خیبر پختونخوا) سے علمی طور پر مایوسی کی حالت میں جاتا آپ کی علمی وجاہت نے متاثر بھی کیا۔ دِل کو تسلی اور مسرت ہوئی۔ البتہ ہندوستان میں میرے ایک قابلِ فخر دوست ہیں۔ جن کی ذہانت و فطانت، فصاحت و بلاغت اور علمیت کچھ کچھ آپ سے مشابہت رکھتی ہے۔ قبلہ والد صاحبؒ نے ازراہِ تجسس پوچھا۔

آپ کے اس دوست کا تعارف کیا ہے؟

مولانا شبلیؒ نے فرمایا، میرے وہ محترم دوست حافظ مولوی عبدالجمیل صاحب پشاوری ہیں۔ قبلہ والد صاحبؒ یہ سنتے ہی زیرِ لب مُسکرائے اور فرمایا! بہت خوب، وہ احمق تو میرا چھوٹا بھائی ہے۔ اس پر مولانا شبلیؒ حیرت سے اُچھل پڑے، اور بے ساختہ کہا، سبحان اللہ! آج تو عجب تماشا دیکھا! سارے علم پر ایک ہی خاندان نے قبضہ جما رکھا ہے!! اللہ اکبر

کبیراًo والحمدُ للہِ کثیراً o

نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ
فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

اقبالؔ

تصدیق کنندگان

یہ واقعہ بالکل صحیح ہے۔

۱۔ نورالحق باچہ (08-02-2020) مع دستخط

۲۔ یہ واقعہ خاکسار نے محترم محمد ظہورالحق بھیّا سے بحوالہ مولانا محمد امین خوگیانیؒ سے سنا تھا اور حضرت مولانا محمد اسرائیل شہیدؒ پر اپنے ایک مضمون میں اس کا ذکر بھی کیا ہے جو ماہنامہ ''العلم کراچی'' میں چھپ چکا ہے۔ (م۔ر۔شفقؔ) 10 فروری 2020ء

۳۔ بنی آدم از علم یابد کمال نہ از حشمتِ جاہ و مال و منال

یہ واقعہ ہم نے برادر محترم و مکرم حاجی سید محمد ظہورالحق صاحب سے متعدد بار سُنا ہے۔ علمائے کرام کے ذکر سے دلوں کو تابندگی ملتی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے مرتبے بلند فرمائیں۔

(اسرارالرحمٰن) 10 فروری 2020ء

پسِ تحریر

مولانا فیض الحسنؒ سہارنپوری

تعارف:

مولانا فیض الحسنؒ سہارنپوری پیکرِ علم وفضل تھے، صاحبِ کمال تھے۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ کے ماہر تھے۔ فارسی اور عربی زبان وادب کے اُستادِ کامل تھے۔ اورینٹل کالج لاہور میں شعبۂ عربی کے سربراہ تھے۔ مولانا شبلی حماسہ پڑھنے کے لئے اُن کے پاس علی گڑھ سے چل کر لاہور آئے تھے۔ مرزا غالبؔ کے بے تکلف دوست تھے۔ ان کی آپس کی بے تکلفیوں کے کئی ایک پُر لطف واقعات مشہور ہیں۔

''عیدن بائی'' اُس زمانے میں لاہور کی مشہور گائیک تھی۔ کشمیر کی رہنے والی تھی۔ اپنی آواز کی طرح جوان اور خوبصورت تھی۔ مولاناؒ کو اس کی گائیکی پسند تھی کسی بات پر وہ مولانا سے خفا ہوگئی۔ یہ خفگی اتنی شدت اختیار کر گئی کہ وہ دل برداشتہ ہو کر کشمیر چلی گئی۔ مولانا کو جب پتا چلا تو بے قرار ہو گئے اسی بے قراری کی کیفیت میں راتوں رات اُس کی کربناک جدائی میں ''صبحِ عیدن'' کے عنوان سے دوسو اشعار کی فی البدیہہ درد بھری مثنوی کہہ ڈالی۔ جو اُردو ادب کا شاہکار ہے جو بدقسمتی سے شائع نہ ہوسکی۔ یہ پنجاب یونیورسٹی کی لائبریری میں قدیم مخطوطات کے انبار میں پڑی ''کسی مردِ راہ دان'' کی راہ تک رہی ہے۔ یہ بات میرے علم میں اس وقت آئی تھی جب میں 1979ء میں پنجاب یونیورسٹی کے تحت ایم۔اے اُردو کی تیاری کر رہا تھا۔

اس نابغہ روزگار ہستی کا ذکر ''تذکرۂ جمیل'' میں مولانا لطف اللہ صاحبؒ علی گڑھی کے حوالے سے دلکش اور پُر تاثیر انداز میں موجود ہے۔ میں نے قارئین کی دلچسپی کے لئے فارسی نثر کو اُردو کا جامہ پہنا دیا ہے۔ البتہ مولانا لطف اللہ صاحبؒ کے فارسی اشعار جو انہوں نے ان کی وفات کی المناک خبر سُن کر برجستہ کہے تھے، وہ ہو بہو نقل کر دیئے ہیں۔

افسانہ یاران کہن خواندم و رفتم
دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

صاحبِ تذکرہ لکھتے ہیں کہ ''حضرت مولانا صاحب کے ایک قریبی دوست، جن کا شمار مشاہیر علماء میں ہوتا تھا، وفات پا گئے۔ مرحوم کا نامِ نامی مولوی فیض الحسن تھا۔ وہ ادیب و فلسفی تھے۔ شوخیِ طبع کی دولت سے مالا مال تھے۔ شہرِ لاہور میں صدر مُدرس کے عہدے پر فائز تھے۔ اُن دنوں ان کی تنخواہ ایک سو روپیہ مقرر تھی۔ حُبِّ دُنیا سے ان کا دل خالی تھا، بے نیازی اور درویشی اُن کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ بتقاضائے بشریت، اپنی ضروریات کے لئے 20 روپے رکھ لیتے اور باقی راہِ خُدا میں خرچ کر دیتے۔ جب ان کی وفات کی خبر حضرت مولانا نے سُنی تو ان پر ایک کیفیت طاری ہوگئی اس کیفیت میں منظوم تاریخِ وفات لکھی اور اُسی وقت حاضر طلبہ کو پڑھ کر سُنائی مجھے وہ اشعار اب تک یاد ہیں جنہیں رقم کر رہا ہوں۔ جس سے مولانا کی پاکیزگی اور شعری پختگی صاف جھلک رہی ہے۔ پیکرِ علم و دانش، مرقعِ فلسفہ و حکمت، فیض الحسن نے جب جنت الماویٰ کی جانب رختِ سفر باندھا۔ تو مولانا نے انہیں یوں خراجِ تحسین پیش کیا۔

ازیں خرابہ چو فیض الحسن، امامِ زمن
بہ بستِ رخت و کشادہ بہ جنّت المأویٰ
جہاں سیاہ درآمد بچشمِ اہلِ نظر
کشیدہ سر بفلک شُور و آہ واویلا
چہ گوئمت زکمالش کہ از فراوانے
چو خُلقِ اُو ندارند جز احصاء
ادیب و فلسفی و فقہی و مفسر بود
طبیبِ حاذق و حاجی و شاعرِ غرّا
ادب ز ذاتِ کمالش بہ آں مقام رسید
کہ کرد وقفِ تحیّر لبیدؔ و جاحظؔ را
بہ بزم گاہِ کمالش ز مستفید آنش
ابو نواسؔ و فرزدقؔ ظہوریؔ و سوداؔ
بلی بخوبی گفتار بود طوطیٔ ہند
بعلم و فضل و ہنر بود فاضلِ یکتا
خرد چو سالِ وفاتش بجست ہاتف گفت
بمرد فاضل طوطیٔ ہند واویلا

(۱۳۰۴ھ)

بحوالہ: تذکرۂ جمیل ''غیر مطبوعہ'' ص: 60,61

رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب کی نام نہاد پیغمبرِ قادیاں

آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی سے دوبالمشافہہ ملاقاتوں کا احوال:

نوٹ: ''یہ میرے لڑکپن کا زمانہ تھا جب میں نے حضرت مولانا عنایت اللہ صاحبؒ سے رئیس الحفاظ علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب کی مرزا غلام احمد قادیانی سے دوعدد ملاقاتوں کا احوال سُنا۔ حضرت مولانا صاحبؒ نے پوری تفصیل، احتیاط اور ذمہ داری سے واقعہ بیان کیا تھا۔ مگر اب اپنی ان نالائقیوں اور بے احتیاطیوں کا ماتم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ یہ طفلانہ موسم کے غلبے اور کھلنڈرے پن کا زمانہ تھا۔ قیمتی اور تاریخی معلومات کی اہمیت کا احساس اور ان کو محفوظ کرنے کا کسے ہوش تھا۔ جس شوق دلچسپی، خلوص اور انہماک سے سُننے کا حق تھا۔ وہ حق ادا نہ ہوا۔ اب اس واقعے کی بیشتر اہم جزئیات ذہن سے محو ہو چکی ہیں جس کا باعث اپنی کوتاہی اور احساس ذمہ داری کا فقدان تھا۔ اب میں عمرِ رواں کے آخری حصے سے گزر رہا ہوں۔ اُس تاریخی واقعہ کی جو باقیات ذہن کے طاقچے میں محفوظ رہ گئی ہیں۔ اُن کو امانت سمجھ کر کاغذ پر منتقل کر رہا ہوں۔ تاکہ ختم نبوتؐ کے مجاہدوں اور عامۃ المسلمین کے کام آسکیں اور مزید احساسِ شرمندگی سے بچا جا سکے''۔

واقعے کے نشیب وفراز سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ 1900ء کے لگ بھگ کا

زمانہ تھا۔ حضرت علامہ ہندوستان سے واپس بذریعہ ریل گاڑی مردان آرہے تھے۔ دورانِ سفر اخبار خریدا۔ جلی حروف میں خبر درج تھی ''کہ مرزا قادیانی نے آج خاص وعام کو ملاقات کا اِذن رکھا ہے'' (یہ کون سا مقام تھا اب حافظے میں نہیں رہا، اس لئے نہیں لکھا) بہرحال خبر پڑھ کر مزید سفر، عارضی طور پر معطل کر دیا۔ اور ملاقات کے لئے چل دیئے اور بالآخر وہاں پہنچ گئے۔ جہاں مرزا صاحب قیام پذیر تھے۔ دربان نے قدوقامت اور ڈیل ڈول دیکھ کر ملاقات کی اجازت سے روک دیا۔ علامہ نے حیرت سے دربان کو کہا۔ اخبار میں تو اِذن عام کا اعلان ہے اور تم بلا جواز میری ملاقات پر پابندی لگا رہے ہو!

دربان نے کہا! ''تم لوگ پٹھان ہو، جھگڑالو ہو، حضرت سے بدتمیزی کرو گے جو ہمیں ہرگز گوارا نہیں۔ اس لئے تم کو روکا ہے''

علامہ نے کہا! ہم لڑائی جھگڑا کرنے نہیں آئے۔ عقل ودلیل سے بات ہوگی۔ دربان علامہ کی شائستہ گفتگو سُن کر کچھ نرم پڑ گیا۔ اور اندر جا کر ساری صورتِ حال واضح کی اور واپس آکر مشروط ملاقات کی اجازت دی۔

علامہ کا بیان ہے کہ جب میں ہال نما کمرے میں داخل ہوا تو خود ساختہ پیغمبر صاحب گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے پلنگ پر نیم دراز تھے۔ اور کچھ صاحبانِ علم وفضل کرسیوں پر بیٹھے ''پیغمبر جی'' سے بحث ومباحثے میں اُلجھے ہوئے تھے میں بھی خاموشی سے جا کر بیٹھ گیا۔

بحث میں ذرا وقفہ ہوا تو ''پیغمبر جی'' میری جانب متوجہ ہوئے۔ اور یوں گویا ہوئے، تم واقعی غیر مہذب اور بدتمیز ہو۔ آدابِ مجلس سے بھی آگاہ نہیں بغیر سلام کئے، چپکے سے آکر بیٹھ گئے ہو۔

میں نے جواباً کہا! میں مسلم ہوں، اور اپنے عقیدے کا پابند ہوں۔ صرف مسلم پر ہی سلام بھیجتا ہوں۔ میرا عقیدہ آپ کو سلام کہنے کی اجازت نہیں دیتا۔ پھر اپنی بات کی صداقت کے لئے عقلی ونقلی استدلال پیش کیا۔ وہ خاموش ہوگیا۔

پھر میں نے کہا، آپ کا دعویٰ ہے کہ مجھ پر وحی کا نزول ہوتا ہے۔ کیا میں وہ وحی دیکھ سکتا ہوں۔

اُس نے ہاں کہہ کر تکیے کے نیچے سے کاغذوں کا ایک جُتگ نکال کر مجھے دیا کہ دیکھو یہ وحی ربّانی ہے جو مجھ پر اُتری ہے۔

یہ وحی عربی کی تحریر تھی۔ میں اُس تحریر کو جلدی جلدی دیکھتا جاتا اور قلم سے غلطیوں پر نشان لگاتا جاتا۔ حتیٰ کہ تحریر ختم ہوگئی اور بے شمار نشان لگ گئے۔

تب میں نے کہا! جناب میں عربی زبان وادب کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں ایک سرسری سی نظر سے آپ کی ''وحی شریف'' کو دیکھا ہے۔ گرائمر اور زبان وبیان کی اتنی ڈھیر ساری غلطیاں نکلی ہیں۔ اگر ذرا باریک بینی سے اس کا مطالعہ کیا جائے۔ تو شاید ہی کوئی لفظ صحیح نکلے۔

اب مجھے نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ کو صحیح عربی نہیں آتی۔ یا آپ کا فرشتۂ وحی، ان پڑھ ہے جو وحی کی ترسیل میں خطا کھا جاتا ہے یا ''پیغمبر جی'' کو ابتدائی عربی گرائمر نہیں آتی کہ وحی کے اخذ میں جملوں کی ساخت کا خیال بھی نہیں رکھتے۔ یہ کیسی وحی ہے جو غلطیوں کا مرکب ہے۔ پھر میں نے کہا، ہمارا عقیدہ ہے کہ ہر دور کا پیغمبر، اپنے عہد میں سب انسانوں سے اعلیٰ وبرتر اور افضل ہوتا ہے۔ شجاعت، وجاہت، سخاوت، علم وحکمت، رعنائی وزیبائی میں

کوئی اس کی ہمسری نہیں کرسکتا۔

وہ جملہ انسانی خوبیوں میں یکتائے زمانہ ہوتا ہے۔

یہ سُن کر اُس نے کہا! ہاں تم نے ٹھیک کہا، ایسا ہی ہوتا ہے۔

تب میں نے جیب سے چہرہ دیکھنے والا دستی آئینہ نکالا اور اُس کے چہرے کے سامنے کر دیا۔ لو دیکھو اپنا چہرہ، جو جھریوں سے اَٹا ہوا ہے۔ یہ بجھی بجھی سی رنگت، آنکھوں کے کناروں پر جمی ہوئی میل، جیسے اُبھرے ہوئے سفید پھنسی کے دانے ہوتے ہیں۔ **نعوذ باللہ من ذالك**، کیا پیغمبر کا چہرہ ایسا ہوتا ہے۔

پھر میں نے صاحبانِ علم کو مخاطب کیا، حضراتِ محترم! یہ شخص نیم خواندہ ہی نہیں ذہنی مریض بھی ہے اس کے ساتھ بحث مباحثہ کر کے اپنا قیمتی وقت مت ضائع کرو۔

تب پیغمبر صاحب نے آنکھیں بند کیں اور مراقبے میں چلے گئے۔ کچھ دیر بعد آنکھیں کھولیں اور گویا ہوئے۔ ابھی ابھی مجھ پر وحی آئی ہے۔ کہ اس شخص نے پیغمبر کی شان میں گستاخی کی ہے۔ یہ ہمارے عذاب کی پکڑ میں آچکا ہے، تین ماہ کے اندر اندر ذلت کی موت ہلاک ہوگا۔

پھر اس بات کو بفضلہٖ تعالیٰ ایک مدت گزر گئی میں ہندوستان جا رہا تھا۔ لاہور پہنچا تو حسن اتفاق سے یہ خبر سننے میں آئی کہ پیغمبرِ قادیان، مرزا غلام احمد قادیانی لاہور میں جلسۂ عام سے خطاب فرمائیں گے۔ گزشتہ ملاقات یاد آگئی۔ دِل نے چٹکی لی اور جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ جلسہ ختم ہوا تو پیغمبر صاحب کے اردگرد لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں بھی کوشش کر کے قریب پہنچ گیا اور کہا جناب! آپ نے بندہ کو پہچانا، فرمایا! نہیں، کہا! اب پتا چلا کہ ''پیغمبر جی'' کا حافظہ بھی

کمزور ہے اس پر وہ کھسیانا سا ہو گیا۔

میں نے کہا، جناب آج سے 8 سال قبل آپ سے ملاقات ہوئی تھی آپ نے تین ماہ کے اندر اندر میرے ہلاک ہونے کی پیش گوئی کی تھی جو غلط ثابت ہوئی۔ اللہ کریم کے فضل سے میں تا حال بخیر وخوبی حیات ہوں۔

جناب! مجھے غوث، قطب یا صاحبِ ولایت ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں۔ میں عام سا گنہگار مسلمان ہوں البتہ تھوڑا بہت علمِ طب جانتا ہوں اس کی روشنی میں کہتا ہوں آپ کی موت پندرہ دِن کے اندر اندر واقع ہوگی یہ کہہ کر چلا آیا۔

اللہ کریم کی شان دیکھئے کہ دو یا تین دِن بھی نہیں گزرے تھے کہ خود ساختہ پیغمبر صاحب کے مرنے کی اطلاع آ گئی۔[1] 26 مئی 1908ء (صبح 10 بج کر 10 منٹ) پر ڈاکٹر نے ایسی دوا دی کہ نجاست کا رُخ جو نیچے کی طرف تھا اوپر ہو گیا۔ یوں نجاست منہ سے نکلتی رہی اسی حالت میں بیت الخلا میں خاتمہ ہوا۔ تاریخ وفات، لقد دخل فی قعر جہنم، ۱۳۲۶ھ) جائے وفات: احمدیہ بلڈنگ برانڈرتھ روڈ لاہور کی لیٹرین۔

پھر فرمایا! کہ علم طب کی کتابوں میں قریب المرگ شخص کی علامت بڑی تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔ اُس کے چہرے پر وہ تمام علامات نمایاں ہو چکی تھیں۔ میں نے انہی علامات کو دیکھ کر پیشن گوئی کی تھی۔ جو بفضلہٖ درست ثابت ہوئی۔ وما توفیقی الا باللہ،

؎ گفتہ او گفتۂ اللہ بود،
گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود
اقبالؒ

[1] (تحفظ ختم نبوت اہمیت وفضیلت، محمد خالد متین، صفحہ نمبر 195)

علم موسیقی اور رئیس الحفاظ علامہ محمد عبد الجمیلؒ صاحب

مشتاق الرحمٰن شفقؔ اپنے والد محترم حضرت مولانا عنایت اللہ صاحبؒ سے روایت کرتے ہیں۔

''کہ والئ سوات باچا صاحب کے شاہی دربار میں ایک مشہور موسیقار کبھی کبھی اُن کے حکم سے اپنے فن کا مظاہرہ کر کے خوب داد سمیٹا کرتا تھا۔ ایک دن رئیس الحفاظ نے اُس موسیقار سے کہا! کہ بھائی اس ''ٹوکری'' کو کبھی ہماری کٹیا میں بھی لانا۔

چنانچہ ایک روز وہ موسیقار اپنا ساز اُٹھائے ان کے رہائشی کمرے میں آ گیا۔ حضرت علامہ صاحب نے اپنے بیٹے عنایت اللہ کو حکم دیا کہ اس کیلئے قہوے کا اہتمام کرو۔ پھر اُس سازندے کو فنی زبان میں بتایا کہ اُس دِن دربار میں ساز بجاتے ہوئے تم نے یہ فلاں فلاں غلطی کی تھی پھر اُس کو موسیقی کے اُصولوں کی روشنی میں صحیح طریقہ بتایا۔ کافی دیر موسیقی کی بابت گفتگو رہی تب اُسے کہا، اب ذرا یہ فارسی کلام اس انداز میں سناؤ۔

حضرت مولانا عنایت اللہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ بعد ازاں اُس موسیقار نے مجھے بتایا کہ دربار میں، میں مدتوں سے اپنے فن کا مظاہرہ کرتا چلا آ رہا ہوں۔ کبھی کسی نے اتنی باریک بینی سے میرے فن کا جائزہ نہیں لیا۔ حیرت ہے! مولانا تو علمِ موسیقی بھی خوب جانتے ہیں۔

نوٹ: راقم الحروف کے والد گرامی حافظ امانت اللہ صاحبؒ نے ایک دفعہ اپنے جلیل القدر والد رئیس الحفاظ صاحبؒ کا ذکر کرتے ہوئے، راقم کو بتایا۔

''کہ میرے والد محترمؒ نے برسبیلِ تذکرہ فرمایا تھا۔ کہ میں نے دورانِ طالب علمی علمِ موسیقی بڑی جانفشانی سے سیکھا ہے میں اس کے اسرار و رموز کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ البتہ اس کی عملی مشق سے ہمیشہ اجتناب کیا ہے''۔

بحوالہ: بروایت م۔ر۔شفق (مورخہ 15 فروری 2020ء)

جمال وکمالِ جمیلؒ

تحریر: اسرار الرحمٰن (اسرار دَ طورو)

19-02-2021

جمالك في عيني و حبك في قلبي　　و ذكرك في فمي فاين تغيب

میری آنکھوں میں تیرا نور
میرے دِل میں تیرا سرور
میرے نغموں میں تیرا خیال
تو رہے گا کہاں مجھ سے دُور

قرآن وسنت نبوی کے علوم میں جمال وجلال تاحدِّ کمال موجود ہے جو لوگ ان علوم کے حصول میں اپنی ساری توانائیاں صرف کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور اپنی ساری خوشیوں اور جملہ راحتوں کو نظر انداز کر کے بس ایک ہی مطلوب کو محبوب بنا لیتے ہیں ان کی ذات وکردار میں جمال وکمال پیدا ہوجاتا ہے۔

کنوں کہ برکفِ گُل جامِ بادۂ صاف ست
بصد ہزار زبان بلبلش در اوصاف ست

تقسیم سے پہلے برصغیر ہند بہت بڑا ملک تھا جس کے شمال مغرب میں ضلع پشاور (جو اَب کئی اضلاع میں تقسیم ہے) کا ایک چھوٹا گاؤں طورو تھا۔ اس گاؤں کا ایک مردِ قلندر

مولانا حافظ سید محمد حفیظ اللہ حسنیؒ متوفی ۱۳۰۷ھ نے اپنے پانچ بیٹے علومِ قرآن وحدیث کے لئے وقف کردیئے تھے۔

؎ روحِ پدرم شاد کہ می گفت بہ استاد
فرزندِ مرا عشق بیا موز دِگر ہیچ

یہ پانچوں اپنے دور کے ممتاز علماء تھے۔

ان میں چوتھے فرزندِ ارجمند مولانا حافظ سید عبدالجمیل صاحب نے حفظِ قرآن وخط نویسی کے بعد علوم وفنونِ اسلامی کے موتی چننے کے لئے روہستان کا قریہ قریہ چھان مارا۔ غربت وافلاس اور بھوک وپیاس کے شدائد سے نبرد آزما ہوتے ہوئے اپنی جھولی کو دولتِ علم ودانش سے بھرتے رہے پَر شوقِ طلب، جنون کی حد تک پہنچ چکا تھا تو دور دراز کے سفر کے لئے کمرِ ہمّت باندھی اور دیوبند سے ہوتے ہوئے علی گڑھ پہنچ گئے وہاں علومِ دین کے سرتاج علاّمہ مفتی محمد لطف اللہؒ کے درس میں شامل ہوئے۔ کئی سال دِن رات کی محنت شاقہ کے بعد فارغ التحصیل ہوئے۔

حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ عین اِنہی ایام میں اُنہیں اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سیّد محمد اسرائیل شہیدؒ کا خط ملا۔ کہ والدِ محترم وفات پاگئے۔ آپ کو سخت صدمہ پہنچا۔ والد بزرگوار کی ملاقات کو کئی سال بیت چکے تھے اور اب تو ملنے کا امکان بھی نہ رہا یہ خیال مسافر کو تلملا رہا تھا کہ عاشقِ علوم قرآن اپنے بیٹے کے سر پر عمامۂ فضیلت دیکھ کر خوش ہو جاتے پر ان کو خاصانِ بہشت نے اپنے پاس بلایا۔

؎ زِ حالِ ما دِلت آگاہ شود مگر وقتے
کہ لالہ بر دَمَد از خاک کشتگانِ غمت

شفقت ومحبت کے پیکر استاد نے اپنے پیارے شاگرد کو تسلّی دی اور دُکھی مسافر کو گلے لگا کر اپنے پاس روک لیا انہی دِنوں میں رامپور کے ''معدن العلوم'' سے مشتاقانِ جمالِ قرآن کا خط آیا لکھا تھا۔

''اِنّ اللہَ جمیلٌ وَ یُحِبُّ الجمال'' اور اس نغمۂ جنّت الخلد میں دعوت تھی کہ مولانا عبدالجمیلؒ دارالعلوم مذکور کی مسندِ صدارت کو جمال وکمال بخشے۔ گویا اللہ کریم نے آپ کے قلبِ حزین کو خدمتِ دینِ مبین کی بلندیوں تک پہنچایا اور اس کے بعد تادمِ واپسین آپ انوارِ علومِ دینِ متین تقسیم کرتے رہے جن علوم کا منبع جمال وجلال قرآن ہے۔

''ھٰذا بصآئِرُ لِلنّاسِ وَ ھُدًی وَّ رَحْمَۃٌ لِّقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَo'' (الجاثیہ آیت ۲۰)

تأثرات بروفات علامہ محمد عبدالجمیلؒ

عبدالعلیم باچاطوروی

نوٹ:(1) ''جب مصنفؒ نے حضرت علامہ حافظ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کے انتقالِ پُرملال کی خبر سُنی تو وہ اس وقت ''ٹنڈو محمد خان'' میں ''سگنلر'' کی پوسٹ پر متعین تھے۔ یہ ریلوے اسٹیشن صوبہ سندھ کے ضلع حیدرآباد میں، حیدرآباد، بدین سیکشن پر واقع ہے''۔

لکھتے ہیں ''مجھے یہ روح فرسا خبر پہنچی، کہ فخر العلماء علامہ عبدالجمیل صاحب 26 نومبر 1946ء کو اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو رحلت کر گئے۔ یہ خبر پڑھی تو بے اختیار خط میرے ہاتھوں سے نیچے گر پڑا اور افسوس ہوا کہ کاکا جی (تایا جی) کی آخری خدمت سے خواہ مخواہ محروم رہ گیا۔ ورنہ چند روز قبل تو میں گاؤں میں موجود تھا۔ اور میری واپسی کے وقت وہ اتنے شدید بیمار بھی نہ تھے کہ میں کسی قسم کا اندیشہ محسوس کرتا۔ آہ! مختصر علالت کے بعد وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

نہ گویم من تو خود انصاف دہ تا از کہ می آید
عرب را زندہ کردن و آنگہ از ہندوستان بودن
بہ آئین دری بر جادۂ پیشنیاں رفتن
بہ آہنگِ حجازی یادگارِ پاستاں بودن

مفہوم: ''میں نہیں کہتا بلکہ تم خود ہی انصاف کرو، کہ اُس صاحبِ کمال نے ہندوستان میں

رہتے ہوئے حجاز کی یادوں کو زندہ کر دیا۔

ہاں وہ اپنے پیش روؤں کی طرح فارس کے اسلوب کا پابند رہا مگر اس کے حجازی انداز نے حسن فارس کو حسین تر بنا دیا۔

(2) کفر است در طریقت ما کینہ داشتن:

مصنف رقم طراز ہیں کہ والد بزرگوار مولانا حافظ عبدالجلیلؒ سے اپنے برادرِ بزرگ و استادِ محترم خاندانی زمینی چپقلش کی بنا پر آزردہ خاطر ہو گئے۔ والد صاحب کو تب چین نصیب ہوا جب علی گڑھ جا کر ان کے استاد جناب مولانا مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ سے سفارشی خط لائے۔ جس میں استاد نے شاگرد کو لکھا تھا۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن
آئینِ ما است سینہ چو آئینہ داشتن

(ہمارے مسلک میں کینہ رکھنا کفر ہے ہمارا طریقہ، سینے کو آئینے کی مانند شفاف رکھنا ہے)

اس کے بعد دونوں بھائی شیر وشکر ہو گئے اور مرتے دم تک ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتے رہے۔

آپ بیتی، جگ بیتی
ص نمبر 45/2/3
عبدالعلیم باچاطوروی

پروفیسر محمد طیّب اللہ

12-03-2020

تذکرہ۔۔۔دلبرانِ باکمال

؎ پھر نظر میں پھول مہکے، دل میں پھر شمعیں جلیں
پھر تصور نے لیا، اس بزم میں جانے کا نام
فیضؔ

حضرت مولانا حافظ محمد حفیظ اللہ صاحبؒ کے پانچ فرزند تھے۔خوش قسمتی سے ہر ایک قابلِ رشک تھا۔رئیس الحفّاظ علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب چوتھے نمبر پر تھے۔ان کی تاریخ پیدائش 1864ء اور جائے ولادت طُورو ہے۔یہ مشہور و معروف بستی ضلع مردان کے مضافات میں واقع ہے۔

حفظِ قرآن کے بعد، رائج الوقت علومِ عقلیہ کی تعلیم، انہوں نے خیبر پختونخوا کے مختلف دشوار گزار کہستانی اور میدانی علاقوں میں جا کر حاصل کی۔دورانِ طالب علمی انہیں بے پناہ مشقتوں، مصیبتوں، تکلیفوں اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔مگر یہ بے یارو مددگار مفلوک الحال طالب علم، شوقِ فراواں، عزمِ بلند، آہنی ارادوں اور ایمانی جذبوں کی دولت سے مالا مال تھا۔وہ راستے کی ہر رکاوٹ کو ہمت و استقامت کے ساتھ عبور کرتا چلا گیا۔وہ کسی بھی مقام پر رُکا نہیں، بے حوصلہ نہیں ہوا، ایک لمحے کے لئے بھی اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا، عزیمتوں کا یہ راہی آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔یہاں تک کہ شایانِ شان طریقے

سے علومِ عقلیہ کی تکمیلی منزل طے کر لی۔

؎ اس لئے راستے آسان ہوئے ہیں مجھ پر
پاؤں تھک جائیں تو رفتار بڑھا دیتا ہوں
عامرؔ مقصود

بے شک، اس کے خیبر پختونخوا کے تمام اساتذۂ کرام، صاحبانِ کمال تھے۔ان میں سرفہرست مولانا شاہ سعیدؒ صاحب آف زروبئ کا نامِ نامی ہے۔''جن کی علمیت کا شہرہ ہندوستان، ایران، خراسان اور مشرقِ بعید تک پھیلا ہوا تھا۔'' (حیاتِ صدرالمدرسین: ابراہیم فانیؔ ص 87)

ان کی تربتِ پاک، زروبئ کے محلّہ بھائی کی مسجد کے الگ جنوبی گوشے میں ہے۔ناچیز کی نگاہوں کو، اس خاکِ پاک کو بوسہ دینے کا شرف حاصل ہے، جس کے ذرّے ستاروں سے بھی تابندہ تر ہیں۔

؎ جگمگاتے ہوئے ستاروں کو !
تیرے پاؤں کی دھول کہتا ہوں
ساغرؔ صدیقی

مسجد کا وہ کچا حجرہ، اب نئی طرز پر پختہ تعمیر ہو چکا ہے۔جس میں کبھی وہ درس دیا کرتے تھے۔اور جہاں ہر وقت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دلنشیں نورانی زمزموں کی بہار چھائی رہتی تھی۔اب وہ حجرہ فالتو قسم کے سامان سے اٹا ہوا، ویران و اداس پڑا ہے۔

؎ ہے نجد میں سکوت ، ہواؤں کو کیا ہوا؟
لیلائیں ہیں خموش ، دوانے کدھر گئے؟
اخترؔ شیرانی

علومِ عقلیہ کی تکمیل کے بعد، علومِ نقلیہ کے حصولِ شوق کی چنگاری بھڑکتے شعلوں کا رُوپ دھار چکی تھی۔ اس آتشِ زیرِ پا کی بیقراری میں اضافہ ہوا۔ اور وہ دل میں ھل من مزید کی خواہش لئے، اپنی بے سروسامانی کو نظر انداز کر کے ہندوستان کے لئے عازمِ سفر ہوا۔

؎ بیدلؔ اگر آگاہ شوی از دردِ محبت
یک زخم، بصد صبحِ تبسم نہ فروشی بیدلؔ

(ترجمہ: بیدلؔ اگر تجھے دردِ محبت کی سمجھ آجائے، تم تو سینکڑوں صبحوں کی مسکراہٹ پر اپنا ایک زخم بھی نثار نہ کرو)

قافلۂ سخت جاں کے اس راہی کو تقدیر کھینچ کر علی گڑھ لے آئی۔ اس نے اپنی علمی آسودگی کے لیے مدرسہ علی گڑھ میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور آفتابِ علم وہدایت علامہ لطف اللہؒ علی گڑھی کے دامنِ پُرفیض سے ہمیشہ کے لیے وابستہ ہوگئے۔ علومِ نقلیہ کے علاوہ دیگر جملہ علوم کی سندِ فراغت بھی اس استادِ باکمال سے حاصل کی۔ یہ اُسی استادِ بے مثال کا فیضان تھا۔ کہ جس نے انہیں مزید کسی استاد کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنے سے بے نیاز کر دیا۔

؎ بے نیاز انہ ز اربابِ کرم می گزرم
چوں سیہ چشم کہ بر سرمہ فروشاں گزرد نامعلوم

ترجمہ: میں اہلِ کرم کے پاس سے، اس بے نیازی سے گزر گیا، جس طرح سیاہ چشم سرمہ بیچنے والوں کو دیکھے بغیر گزر جائے۔

تحصیلِ علم سے فارغ ہوئے تو ایک سال تک اپنے ہی مدرسہ علی گڑھ میں تدریسی فرائض سرانجام دیتے رہے۔ پھر استادِ محترم کی اجازت سے، رامپور، ویلور، دہلی فتح پوری کے مشہورِ زمانہ مدارس میں صدر مدرس کے عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔

ایک مختصر سا عرصہ استادِ محترم کی ہمراہی میں نواب آف حیدرآباد کے ہاں بھی بطورِ شاہی مہمان قیام پذیر رہے۔ جب اُن پر کھُل کر شباب آیا تو اُس وقت وہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء میں شمار ہوتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ، ان کے علم وفضل کی خوشبو دُور دُور تک پھیلتی چلی گئی۔

؎ ٹھنڈی ہوا چلی تو جلیں مشعلیں ہزار
جو غم نظر میں چمکا تھا اب کہکشاں ہوا منیرؔ نیازی

نواب حبیب الرحمٰن خان شروانیؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ جیسی قدآور علمی شخصیات کے ان سے گہرے علمی اور قلبی روابط تھے۔ یہ لوگ ان کے علم وفضل کے قائل ہی نہیں گرویدہ بھی تھے۔ دراصل یہ سارا کمال علامہ لطف اللہ علی گڑھیؒ کے فیضانِ صحبت کا تھا۔ جس کی نگاہِ دلنواز نے شاگردِ عزیز کو خوبصورت و دلربا رنگوں میں رنگ دیا تھا۔ پھر ان رنگوں میں اضافے ہی ہوتے رہے۔

؎ دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں داغؔ

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ آف گولڑہ شریف، اُن کے ہم سبق تھے۔ دونوں صاحبان کو استادِ باکمال علامہ لطف اللہ علی گڑھی سے شاگردانہ نسبت کی سعادت حاصل

تھی۔ جو بلاشبہ ایک بہت بڑا اعزاز اور خوبی تھی۔ جس پر انہیں ناز ہی نہیں عشق تھا۔

؎ تیرے جگر کی تجھ سے اک التجا یہی ہے
اپنے جگر کو، اپنے دل سے جدا نہ کرنا
جگر مرادآبادی

ان کے قابل فخر شاگردوں کی فہرست میں، محدثِ دوراں علامہ انور شاہ کاشمیریؒ اور شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحبؒ آف اکوڑہ خٹک کے اسماء گرامی بھی شامل ہیں۔

؎ نور سے تیرے ہے اس کی روشنی
ورنہ ہے خورشید یک دستِ سوال
غالبؔ

وہ کچھ عرصہ اسلامیہ کالج پشاور کے شعبۂ اسلامیات سے بھی وابستہ رہے۔ مگر جلد ہی اس ادارے کو خیر باد کہہ دیا۔ چونکہ یہاں کے ماحول کو اپنے عالمانہ مذاق کے موافق نہ پایا۔

؎ دریں دیار کہ، گوہر خریدن آئین نیست
دکاں کشودہ ام و قیمتِ گوہر گوید
غالبؔ

ترجمہ: اس بستی میں جہاں موتی خریدنے کی رسم ہی نہیں، ہم دکان کھول کر قیمت لگائے بیٹھے ہیں۔

بعدازں، والئ سوات جناب باچا صاحب کی خواہش پر اُن کے صاحبزادے اور ریاست کے ولی عہد جناب جہان زیب صاحب مرحوم ومغفور کے اتالیق بھی رہے۔ پھر جسمانی عوارض کی بنا پر مستعفی ہوکر مستقلاً طُورو چلے آئے۔ اور حیاتِ مستعار کے باقی ماندہ شب وروز طُورو ہی میں درس وتدریس کے مقدس فریضے کی انجام دہی کرتے رہے۔ بالآخر 26 نومبر 1946ء کو زندگی کی وہ المناک شام آگئی۔ جس کا آنا حق اور سچ ہے۔ تب علم

وعمل کا یہ آفتاب اپنے حصے کی کرنیں نچھاور کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

؎ نہ رہا کوئی دیوانوں میں
خاک اڑتی ہے بیابانوں میں
رہ گئی آہ! اب افسانوں میں
مے نہ شیشوں میں نہ پیمانوں میں
اُٹھ گیا، کیا جگرؔ نکتہ سرا
شور برپا ہے غزل خوانوں میں
جگرؔ

کل من علیھا فان o و یبقیٰ وجہ ربك ذوالجلال والاکرام o

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

؎ حق دار فصلِ گل وہی رہ نورد ہیں
جو خاک چھان کر بھی نہ بھولے نام چمن کا
احمد ندیم قاسمی

رئیس الحفّاظ علامہ محمد عبدالجمیل صاحبؒ کے محترم مرثیہ نگار، جناب تاج ملوک خان دلسوزؔ، طُورو کے ایک معزز خانوادے کے چشم و چراغ تھے۔ وہ صاحبِ حیثیت ہی نہیں، صاحبِ علم وفضل بھی تھے۔ ان کے مرثیہ کا نقطہ نقطہ، حرف حرف اور ایک ایک مصرعہ ان کی وسعتِ علمی، قادرالکلامی اور گہری محبت وعقیدت سے چمک رہا ہے۔ جو ان کی بے پناہ قلبی وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے اپنے لائقِ فخر ممدوحؒ کے بارے میں حرف ولفظ یکجا کر کے اشعار کا انبار نہیں لگایا۔ بلکہ جذبات کی آنچ میں دہکے ہوئے قلب وجگر کے تڑپتے پھڑکتے ٹکڑے مرثیے کی صورت میں کاغذ پر منتقل کیے ہیں۔

؎ صد نالۂ شبگیرے ، صد صبحِ بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے ، یک شعرِ دلآویزے
اقبالؒ

ترجمہ : رات کے وقت سینکڑوں کی گئی فریادیں، مصیبتیں لانے والے سینکڑوں سویرے، سینکڑوں آہوں کی چنگاریاں تب جا کر کہیں ایک خوبصورت شعر وجود میں آتا ہے۔

یہ مرثیہ آج سے 74 سال قبل لکھا گیا تھا۔ وقت کی بادِ سموم سے یہ مرجھایا نہیں، آج بھی اسی طرح تروتازہ اور پُر بہار ہے۔ جذبوں کی سچائی، رعنائی اور اس کے نکھار کو وقت کی دھول کبھی بھی متاثر نہیں کر پائی، کہ یہی عالم گیر صداقت ہے۔ اور زمانہ اس توانا صداقت پر شاہد ہے۔ اپنے مقصد کے لیے جان کی بازی لگانا، کوئی آسان کام نہیں، مگر اہل حق نے اس رسمِ جانبازی کو کبھی فرسودہ نہیں ہونے دیا۔ اور نہ جذبوں کی سچائی پر آنچ آنے دی ہے۔ زمانے بیت گئے یہ رسمِ دلآویز آج بھی شاداب اور پُرکشش ہے۔ استبدادی چمک دمک اور گھن گرج اس پُرکشش صداقت کو ہرگز نہ مٹا سکی۔ حُسن، سچائی اور توانائی کا سرچشمہ ہے اور ایک عالمگیر صداقت ہے۔ جس کی بے پناہ قوت وتاثیر سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مثلاً عثمانؔ مروندی کا یہ شعرِ دلآویز حُسن کا عالمگیر پیام لیے ہوئے ہے۔ اور یہ پیام کبھی بھی فرسودہ وکہن نہیں ہوسکتا۔ کہ اس میں حسن انگڑائی لے رہا ہے۔

؎ تو آں قاتل کہ از بہرِ تماشا خونِ من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجر خوں خوار می رقصم

ترجمہ: تو وہ قاتل ہے کہ میرا خون بہانے کے لیے تماشا لگاتا ہے۔ اور میں وہ بسمل ہوں کہ خوں خوار خنجر تلے بھی رقص کرتا ہوں۔

میں نے اس پشتو مرثیہ کا اردو نثری ترجمہ کرتے وقت لفظوں کے اندر جھانک کر جذبوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ شاعر کے سُلگتے ہوئے آتشیں، تند وتیز، حدت وتمازت سے بھرپور جذبات واحساسات کے نازک آبگینوں کو نہایت احتیاط سے چھوا ہے اور اُس میں ابلتی ہوئی آتشیں سیال کو دوسری زبان وادب کے پیمانے میں انڈیلنے کی سعی کی ہے۔ بلاشبہ! یہ جگرسوز وجاں گداز عمل آگ سے کھیلنے کے مترادف ہے۔

جذبات کی ترسیل نگاری کے اس سفر میں لہولہو ہونا، بار بار جلنا اور کئی کئی مرتبہ مصلوب ہونا پڑتا ہے۔ بہرحال میں نے خلوص ومحبت کے باطنی تقاضوں کے سہارے ترجمے کے مشکل سفر کو طے کرنے کی اپنی سی مخلصانہ کوشش کی ہے۔ تاہم اب میری یہ کاوش قارئین کے تنقیدی شعور کی زد اور رحم وکرم پر ہے۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنی کوتاہیوں اور نارسائیوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے۔ یہ کہہ کر اجازت چاہتا ہوں

؎ دادیم نشان از گنجِ مقصود ترا
گرما نہ رسیدیم، تو شاید بہ رسی
شاہ عبدالرحیم دہلوی

ترجمہ: ہم نے تمہیں مقصد کے خزانے کا نشان بتا دیا۔ اگر ہم وہاں نہیں پہنچ سکے۔ تو شاید تم ہی وہاں پہنچ جاؤ۔

مرثیہ

بیادِ جناب رئیس الحفاظ،

علامہ محمد عبدالجمیلؒ صاحب (طورو، مردان)

ہائے افسوس، یہ کیا ہوگیا!!

بن موسم کے خزاں آگئی، گلشن کی روشن ہوا ہوگئی،
بلبلوں کے نغمے ٹوٹ گئے، دل ڈوب گئے، شورِ نالہ وشیون سے فضا مغموم ہوگئی،
یہ جہانِ رنگ وبو، فریبِ نظر، مقامِ بے ثبات، فنا کا نشاں ہے،
بہاروں کا ساماں، قرارِ جاں، یہاں کوئی شے بھی نہیں جاوداں،
ہائے افسوس! آج مردِ جلیل وجمیل مولانا عبدالجمیلؒ بھی چلے گئے، ہاں! چلے گئے،
دُور دیس چلے گئے، جہاں سے کبھی کوئی پلٹ کر نہیں آیا،
اُن کے فراق میں ہندو مسلم بے حال ہورہے ہیں،
عزیز واقربا، دُورِ غم سے نڈھال، زار وقطار رورہے ہیں،
اُن کے جانے سے طورو میں اِک قیامت سی برپا ہے،
دَر ودیوار، کوچہ وبازار، آہوں، ہچکیوں اور سسکیوں کے حصار میں ہیں،
شاگردانِ وفا شعار کی چشمِ خونبار سے، دِلّی کا ذرّہ ذرّہ لالہ زار ہے،
دِلّی تو کیا! سرزمینِ بُخارا میں بھی کہرام ہے،

آج ان کے جگر گوشوں کی صورتِ حسرت ویاس دیکھی نہیں جاتی،
کرب والم کی آگ میں، دھواں دھواں سلگ رہے ہیں،
اُن کی رحلت پہ زمین وآسماں اشکبار ہیں،
کہ عالم کی موت، زوالِ کون ومکاں ہے،
عجب شان کے حافظِ قرآن، صاحبِ کردار، شب زندہ دار تھے،
چراغِ رُخِ زیبا لے کر ڈھونڈو، اب ایسے پاکباز وپاک اطوار کہاں!
ہاں! وہ بحرِ معرفت کا دلآویز شناور تھا،
منبر وشریعت کا وفادار وپاس دار تھا،
حکمت کے باب میں وہ ''ابن سینا'' کے سنگ سنگ تھا،
نوشیارؔ بھی اس کے باکمال اکسیری نسخوں کا تمنائی تھا،
اُس کا سینہ، علم وفن کے نگینوں کا خزینہ تھا، وہ صاحبِ لعل وگوہر، علم کی کان تھا،
وہ طرح دار، علم وفضل کا کہسار تھا، وہ علم کا پُر جوش سمندر، جس کی ہر اُچھال گہر بار تھی،
اب اس نگر میں، اِقلیمِ علم کا وہ تاج دار نہیں، اس کی مثال کہاں، اس کا جواب بھی نہیں،
وہ علم وآگہی کا چمکتا ستارہ تھا، جو دشت وجبل کو فیض یاب کر گیا،
کابل وقندھار بھی اُس گُلِ پُر بہار کی یاد میں، دل گرفتہ واشکبار ہیں،
آج علم کی دستارِ پُر وقار، افسردہ وسوگوار ہے، کہ وہ خورشید صفت نابغۂ جگر دار چلا گیا۔
دل کے آہنگ میں ایک ترنگ ہے کہ اس کے کمالات کو تصویر کا رنگ دوں،
کیا کروں، خامۂ گلبانگ ساکت وصامت، حیران وپریشاں ہے،

کوئی ایک کمال ہوتو بیاں کروں،

اس کے اوصاف ریت کے ذرّوں سے بھی صد ہزار، بسیار ہیں، شمار کیسے کروں؟

عزیزانِ دلفگار! دلسوز سے تاریخ کے طلبگار ہیں،

حق مغفرت کرے، بہ چشم نم ''کہواب وہ غم گسار'' تمہارا چلا گیا!

1366ھ

مرثیه

دَ سوات باباجیؒ په یاد کښے

۱۹۴۶ء کښے د استادِ زمان لطف الله علی ګړهی شاګرد او دَ محدثِ دوران علامه شاه انور شاه کاشمیری اُستاذ حضرت علامه حافظ عبد الجمیل صاحبؒ المعروف به سوات باباجی دَ دُنیا نه سفر اوکړو. دَ دهلی فتحپوریٔ لویه اسلامی مدرسه کښے هغوئ دَ مشر اُستاد (صدر مدرس) په حیثیت دَ خپل ژوند ډیر حصّه تیره کړی ده او دَ دهلی په لویو لویو عالمانو کښے شمیریدو.

بے موسمه شو خزان په ګلزار هائے هائے
ځکه ځکه بلبلان کړی چغار هائے هائے
دا دُنیا دارالمحن دارالفنا ده
پکښے هیڅا موندے نۀ دے قرار هائے هائے
دَ دُنیا نه مولانا عبد الجمیلؒ لاړ
دَ فنا نه کړی بقا ته رفتار هائے هائے
کۀ هندو کۀ مسلمان دے واړه ویر کا
خپل ګریوان پاره کوی رشته دار هائے هائے

په طورو کښے په وفات ئے جوړ محشر شو
لار کُوځه کښے ده ژړا په بازار هائے هائے
په ډیلّی کښے شاګردان په چغو سر دی
ډیلّے روك کا بخّارا کړی زار زار هائے هائے
څوك ځامنو ته ئے په پورته کتے نشی
چه هر یو شولو جلبل په انګار هائے هائے
په فراق ئے آسمان مزکه دواړه وِیر کړی
دَ عالمِ مرګ دَ عالم دے ادبار هائے هائے
نیك عابد ښائیسته حافظ دَ قرآن ښکلے
داسے کوم ځائے بۀ وی بل پرهیز ګار هائے هائے
معرفت په حقیقت باندِ آګاه وو
دَ مِنبر دَ شریعتِ شهسوار هائے هائے
په حکمت کښے ئے شاګرد ابی سینا وو
په نسخو پسے ئے ارمان کړی نوشّیار هائے هائے
وو مخزن دَ هر یو فن دَ عِلم کان وو
داسے نفس به کوم پیدا کا روزګار هائے هائے
علامه بحر العلوم معلوم هر چا ته
چرته وو دَ دۀ ثانی په دیار هائے هائے

سمه غر باندِ وو یاد دَ عِلم ستورے
ورپسے کوی ژړا قندهار هائے هائے
هر یو علم کښے کامل اکمل افضل وو
شولو وُران ربه دَ عِلم دستار هائے هائے
زړۀ مِ غواړی دَ صاحب اوصاف مِ لیك کړے
ولے څۀ اوکړم قلم شو ناچار هائے هائے
څۀ یو دوۀ صِفته ئے نه دی چه ئے ښکل کړم
دی اوصاف پکښے له شګو بسیار هائے هائے
شاګردان ئے تاریخ غواړی له دِلسوّزه
ربه لاړ دَ "طالبانو غم خوار" هائے هائے

۱۹۴۶ء

کتابیات

نمبر شمار	نام مصنف	کتاب کا نام	ادارۂ	سن اشاعت
1	محمد عبدالجمیلؒ، رئیس الحفاظ	تذکرۂ جمیل	غیر مطبوعہ لائبریری اسرار طوروی، مردان	1910ء
2	خلیل الرحمٰن چشتی	قواعدِ زبان قرآن جلد اوّل	الفوز اکیڈمی اسلام آباد	2000ء
3	معین الدین خٹک	معین القاری شرح صحیح البخاری جلد اوّل	جامعہ عربیہ گوجرانوالہ	2004ء
4	محمود احمد غازی ڈاکٹر	محاضراتِ قرآنی	الفیصل غنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور	2017ء
5	محمود احمد غازی ڈاکٹر	محاضراتِ فقہ	الفیصل غنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور	2016ء

6	مرتبہ پروفیسر محمد حیات خان سیال، پروفیسر شمیمہ حیات خان سیال	معیاری نقد وادب شمولہ مضمون اردو ادب اور معاشرہ	نذر سنز اُردو بازار لاہور	1988ء
7	وکی پیڈیا	دائرۃ المعارف	انٹرنیٹ	15 - 01 - 2021
8	مولانا محمد حنیف گنگوہی	قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون	اُردو بازار ایم۔اے جناح روڈ کراچی	2000ء
9	ضیاء الدین لاہور	جوہرِ تقویم	مکتبہ جمعیۃ پبلیکیشنز، لاہور	2000ء
10	پروفیسر اختر راہی	تذکرہ مصنفین درس نظامی	مکتبۂ رحمانیہ، لاہور	1978ء
11	مرتب امیر حسین نورانی	سوانح نوٗل کشور	عوامی کتاب گھر، لاہور	2013ء

12	محمد علی چراغ	انسائیکلوپیڈیا مسلم شخصیات	نذیر سنز، پبلشرز، لاہور	2005ء
13	پروفیسر ظہیر احمد	فارسی غزل اور اس کا ارتقا	مجلسِ تحقیق و تالیف فارسی، گورنمنٹ کالج لاہور	1993ء
14	صاحبزادہ حبیب الرحمٰن	تذکرہ سیّد عبدالوہابؒ المعروف اخوند پنجو باباؒ	گڑیالہ، مردان	1987ء
15	نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی	استاذ العلماء مفتی محمد لطف اللہ	مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور	1980ء
16	ڈاکٹر وحکیم غلام جیلانی	مخزن الجواہر	شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اُردو بازار، لاہور	سن ندارد

17	ابراہیم فانیؔ	حیات صدر المدرسین	دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک	اشاعت دوم جولائی 2004
18	محمد خالد متین	تحفظِ ختم نبوت، اہمیت وفضیلت	علم وعرفان پبلشرز اُردو بازار، لاہور	
19	عبدالعلیم باچا طوروؔی	جگ بیتی / آپ بیتی	غیر مطبوعہ	